عقلی دلائل کے ساتھ دینِ اسلام کی تبلیغ کرنے والوں کے لیے ایک خاص تحفہ

عقل سے اِیمان
اِیمان سے عمل تک

اس کتاب میں واقعہ بھی ہے ایک ایسے شخص کے قبولِ اسلام کا۔

- جو نہ اللہ کو مانتا تھا، نہ آخرت کو اور نہ کسی دین کو۔
- جو دین کے ہر عقائد و اعمال کو عقل سے پرکھتا تھا۔
- جو دینِ اسلام پر سو سے زائد اعتراضات رکھتا تھا۔
- جو مقلد تھا اقوام یورپ اور سائنس کا۔
- مگر پھر سائنس ہی وجہ بنی اس کے قبولِ اسلام کی۔

تالیف
ندیم اسلم

نظر ثانی
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مالک بھنڈر حفظہ اللہ

میری زندگی کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں میں اسی لیے نمازی

عقلؒ سے اِیماںؒ
اِیماںؒ سے عملؒ تکؒ

تالیف

ندیم اسلم

اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے
جو اس کی طرف رجوع کرے۔ (القرآن)

اشاعت اول: ——— مئی 2020ء
کمپوزنگ: ——— القلم گرافکس
(0345-4407584)

ملنے کا پتہ

فہرست

حصہ دوم: مقدمہ نمبر 2

حصہ سوم: سوال و جواب

دیباچہ

دینِ اسلام ہی دینِ علم وعقل ہے:

اس بات میں کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرنا فطری امر ہے اور شرک بعد میں طاری ہونے والا ہے۔ بلوغت کے بعد جب بچہ عقل وشعور والا ہوتا ہے تو اس وقت اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ دینِ اسلام دینِ علم وعقل کو اختیار کرے۔ اگر عقل کے ساتھ اس دین پر غور کرے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ اسلام ہی اصل دین ہے جو عقل کے عین مطابق ہے۔ ہر صاحبِ بصیرت انسان کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ وہ اپنے آپ کی خیر خواہی کر لے۔ توحید فی الربوبیت کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں وہ تو فطرتِ انسانی میں ہی مرکوز ہے، اس کے لیے تو انسان صرف اپنی پیدائش پر ہی غور کر لے تو کافی ہے اور جو انسان توحید فی الربوبیت پر پہنچ جائے اور پھر اس پر غور وتدبر کرے تو وہ انسان توحید فی الالوہیت پر بھی پہنچ جاتا ہے اور پھر جس قدر اس کے غور وتدبر میں اضافہ ہوتا جائے گا تو اسی قدر اس کے ایمان ویقین اور توحید میں بھی پختگی آتی جائے گی۔ مگر لازمی شرط یہ ہے کہ عقل سلیم ہو۔

محترم بھائی ندیم اسلم صاحب نے یہ کتاب لکھ کر ثابت کیا ہے کہ اگر انسان عقلِ سلیم سے کام لے تو اسے ایمان حاصل ہوتا ہے اور عملِ صالح کی توفیق ملتی ہے۔

میں نے اس کتاب کو مکمل پڑھا ہے اور چند باتوں کی طرف توجہ بھی دلائی

ہے، ہمارے فاضل بھائی حافظ رضاء اللہ رؤف صاحب حفظہ اللہ (چیئر مین شارجہ سٹی) نے بھی تاکید فرمائی۔ اللہ تعالیٰ مولف اور اس کے معاون ساتھیوں کی کوشش کو قبول فرمائے اور ہم سب کو دنیا و آخرت میں کامیاب فرمائے۔آمین یا رب العالمین

ابو انس محمد مالک بھنڈر بن عبدالرحمٰن

مدرس جامعہ اسلامیہ سلفیہ

خطیب آمنہ مسجد سپر ایشیاء گوجرانوالہ

مئی 2020ء

مقدمہ نمبر 1

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَشْرَفِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِيْن.

جب بھی ہمارے سامنے کسی سوال کے دو متضاد جواب رکھے جائیں، ان میں سے ایک جواب سائنس کی طرف سے ہو اور دوسرا دین کی طرف سے تو آج کے دور کا عام پڑھا لکھا شخص ہمیشہ سائنس کے جواب کو ترجیح دے گا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سائنس نے پچھلے دوسو سالوں میں انسان کو وہ ترقی دی ہے کہ آج انسان اپنے آپ کو سائنس کی غلامی میں دے کر فخر محسوس کرتا ہے اور اسی وجہ سے عام آدمی سائنس کے جواب کو ترجیح دیتا ہے لیکن سائنس کی ان خوبیوں کے باوجود ایک اچھے انسانی معاشرے کی تشکیل میں سائنس کا کوئی خاص کردار نظر نہیں آتا یہاں دین سب سے آگے ہے اگر اسے عمل میں لایا جائے، مگر دین کو اس وقت تک عمل میں لانا مشکل ہے جب تک کہ یہ انسانی عقل کو قدرے مطمئن نہ کر دے۔ اس کتاب میں مَیں نے دین اسلام کو سائنس ہی کی طرح خالص عقلی بنیادوں پر استوار کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب کو میں نے دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا ہے: پہلے حصے میں میری آپ بیتی ہے کہ میں کس طرح اور کن عقلی دلائل کی وجہ سے عام مسلمان سے دین اسلام کا مخالف ہوا اور اس کے بعد کن علمی و عقلی دلائل کی وجہ سے میں صحیح طور پر ایک عملی مسلمان بنا۔ جب کہ دوسرے حصے میں میں نے عام مسلمان کے لیے ضروری علم اور مبلغ کے لیے

ایسے عقلی دلائل پیش کیے ہیں کہ جس سے وہ بہتر طور پر تبلیغ کر سکیں۔ اب میں اس کتاب کے متعلق قارئین کو چند باتیں بتانا چاہتا ہوں۔

① یہ مکمل کتاب علمی لحاظ سے دو بڑے حصوں پر مشتمل ہے ایک قرآن و حدیث اور دوسری میری ذاتی رائے۔ قرآن و حدیث کو ماننا اور اس پر عمل کرنا تو ہر مسلمان کے لیے واجب ہے۔ باقی رہ گئی میری رائے وہ اگر قرآن و حدیث یا قول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف جائے تو اس کو رد سمجھا جائے گا، مزید یہ کہ اگر قانون پاکستان یا کسی سینئر عالم کی مخالفت بھی ہوتی ہو تو بھی میری رائے کو رد کر دیا جائے۔

② اس کتاب میں مَیں نے اپنے لیے حالت ہدایت اور حالت گمراہی کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اپنے لیے ہدایت کا لفظ میں نے صرف گمراہی کے متضاد کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اس سے قارئین یہ نہ سمجھیں کہ میں ہدایت یافتہ یا متقی و پرہیز گار ہوں۔ اسی طرح انسانی دماغ کو سوچنے کے معاملے میں مَیں نے اِسے دو حصوں میں رکھا ہے: منفی ذہن اور مثبت ذہن۔ منفی ذہن جو کہ دین کے خلاف سوچتا ہے اور مثبت ذہن انسان کو دین کے قریب کرتا ہے جو شخص اپنے جس ذہن کو زیادہ خوراک مہیا کرے گا اُس کا وہی ذہن زیادہ طاقتور ہو گا اور اسی ذہن کا انسان پر غلبہ ہو جائے گا اور ان ذہنوں کی خوراک علم اور صحبت ہے۔ ان ذہنوں کی آپسی بحث آپ کو کتاب میں نظر آئے گی۔

③ آج کے دور میں انسان کا وقت بہت قیمتی ہے اس لیے کتاب کو مختصر لکھا گیا ہے مگر کتاب کا اندازِ بیاں تیز ہے، خاص طور پر حصہ دوم کا، اس لیے کتاب کو بغور پڑھنا پڑے گا۔ اس کے لیے سرخ پنسل کا استعمال کریں اور جو بات بھی آپ کو اچھی لگے اس پر نشان لگائیں تا کہ جب کوئی دوسرا شخص اس کتاب کو پڑھے تو اس کے لیے بھی آسانی ہو۔ کتاب میں درج کیے جانے والا 80 فیصد علمی مواد میرے ذاتی

غور وفکر اور تدبر کی وجہ سے ہے، البتہ کتاب کو تبلیغ کے لیے بہتر بنانے کے لیے باقی کا 20 فیصد علمی مواد مختلف علمائے کرام کا ہے جن میں ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کا، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ اور ڈاکٹر ذاکر نائیک کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

④ ''ہدایت کی آپ بیتی'' میں قارئین کو ایک واقعہ دو حصوں میں تقسیم دو علیحدہ علیحدہ جگہوں پر ملے گا اُس واقعہ کے دونوں حصوں کو اکٹھا کر کے ایک واقعہ کی شکل میں لا کر تبلیغ کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے، مثلاً جس دودھ والے واقعہ سے یہ آپ بیتی شروع ہو رہی ہے اس واقعہ کا دوسرا حصہ ''پہلا اعتراض'' ہے۔ آپ ان دونوں حصوں کو ملائیں گے تو واقعہ مکمل ہو جائے گا۔ اس کے بعد والے تمام واقعات تقریباً اسی ترتیب کے ساتھ ہی آئیں گے۔

⑤ قرآن و حدیث اور دین اسلام پر میں 100 سے زائد اعتراضات رکھتا تھا لیکن اس کتاب کو مختصر رکھنے کے لیے میں صرف 30 اعتراضات کا ذکر کر رہا ہوں۔

آخری بات اس کتاب کے متعلق یہ ہے کہ اس کتاب میں مَیں جو بھی اچھی بات تحریر میں لا سکا ہوں تو وہ خالص اللہ تعالیٰ کی رحمت و توفیق سے ہے اور اگر کوئی غلط بات اس کتاب میں درج ہو گئی ہو تو وہ خالص میری اپنی غلطی ہے۔ ان قارئین سے میری گزارش ہے، جنھیں اس کتاب سے کوئی فائدہ حاصل ہوا ہو کہ وہ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش کی دعا ضرور کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایتِ کامل عطا فرمائے۔ آمین

نوٹ: دین اسلام کی تبلیغ کے لیے اس کتاب کی چھپوائی کوئی بھی شخص کروا سکتا ہے مگر اس کی تحریر میں کسی بھی قسم کی رد و بدل نہیں کر سکتا۔

حصہ اول

ہدایت کی آپ بیتی

اس وقت میری عمر تقریباً پانچ سال ہوگی۔ جب میں نے اپنے کھانے پینے کی چیزوں پر غور کیا تو میں ہر چیز کو اپنے گھر آتے ہوئے دیکھتا سوائے دودھ کے۔ کیونکہ دودھ جلدی آ جاتا تھا اور میں اس وقت سو رہا ہوتا تھا یا پھر اپنے کمرے میں ہوتا تھا۔ اس وجہ سے اس وقت میرے ذہن میں ایک ایسا پہلا سوال پیدا ہوا کہ جس کے کچھ روابط دین سے ملتے تھے اور وہ سوال جو میں نے اپنی والدہ سے پوچھا یہ تھا کہ یہ جو ہم دودھ پیتے ہیں یہ ہمارے گھر کہاں سے آتا ہے؟ میری والدہ نے جواب دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق اس وقت جو بھی معلومات میرے سر پرستوں خاص طور پر میرے نانا جان نے مجھے دے رکھی تھیں وہ یہ تھیں کہ اللہ تعالیٰ سات آسمانوں کے اوپر ہے، جہاں سے وہ پوری کائنات کا نظام چلا رہا ہے اور اس کے پاس فرشتوں کی ایک بہت بڑی فوج ہے جس سے وہ مختلف نوعیت کے کام لیتا ہے، اس لیے میرے ذہن میں لوگوں تک اور خود اپنے گھر تک دودھ پہنچنے کا جو خاکہ بنا وہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ سب لوگوں کے گھر ان کے اٹھنے سے پہلے پہلے دودھ پہنچا دو۔ تو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں اور گھر میں موجود کسی اونچی جگہ پر دودھ رکھ کر چلے جاتے ہیں۔ اب یہی خاکہ میں اپنے ذہن میں لیے زندگی گزار رہا تھا

کہ کچھ عرصے کے بعد ایک دن میرے والد نے مجھے کہا: فلاں کے گھر جاؤ اور وہاں سے دودھ لے کر آؤ۔ میں گھر سے برتن لے کر گیا اور دودھ لے کر آ گیا۔ تب مجھے پتا چلا کہ ہمارے گھر دودھ فلاں کے گھر سے آ رہا ہے اور جو میرے ذہن میں خاکہ تھا وہ درست نہیں تھا اس بات نے پہلی بار میرے منفی ذہن کو طاقت دی مگر بہت تھوڑی۔

اس کے بعد دوسرا قابلِ ذکر واقعہ جو کہ دین کے ساتھ منسلک ہے وہ اس وقت ہوا جب میری عمر تقریباً سات سال تھی۔ واقعہ یہ ہوا کہ ہم چار پانچ دوست بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ وہاں ایک دوست جو کہ مجھ سے تین چار سال بڑا تھا اس نے کہا کہ ہر چیز کا کوئی نہ کوئی بنانے والا ہوتا ہے اور زمین و آسمان کو بنانے والا اللہ تعالیٰ ہے تو وہاں بیٹھے بیٹھے میں نے اپنے اردگرد موجود چیزوں پر غور کیا تو واقعی ہر چیز کا بنانے والا کوئی نہ کوئی موجود تھا تو میں نے اپنے دوست سے سوال کیا کہ یہ زمین و آسمان اور سورج وغیرہ کو تو اللہ تعالیٰ نے بنایا مگر اللہ تعالیٰ کو کس نے بنایا؟

میرا یہ سوال سن کر میرے تمام دوست مجھ پر ہنسنے لگے اور مجھ پر تنقید کرنے لگے اور اس معاملے میں وہ سب کے سب اکٹھے تھے میں ان کی تنقید سے پریشان ہو کر خاموش ہو گیا، لیکن جب ہماری محفل برخاست ہو گئی تو میں اپنے سوال پر خود ہی غور کرتا اور اپنے آپ کو درست سمجھتا، اس سے میرے منفی ذہن کو دین کی مخالفت کے لیے کچھ طاقت اور ملی۔

اس کے بعد کی میری نو سالہ زندگی ایک عام معاشرتی زندگی تھی جس طرح کے دوسرے بچوں کی تھی یعنی عام کھیل کود، سکول جانا، پانچ فیصد دین پر عمل کرنا وغیرہ لیکن اس زندگی کے آخری سال جب میری عمر تقریباً سولہ سال تھی اور میں نے میٹرک کا امتحان دینا تھا تو ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کے اثرات میری آنے والی تمام زندگی

پر پڑنے والے تھے، میں سکول میں عام مضامین میں درمیانہ اور انگریزی میں کمزور ذہن رکھنے والا طالب علم تھا۔ میرے جیسے طالب علم کے لیے اس دور میں میٹرک پاس کرنا ایک مشکل کام تھا، جب میٹرک کے امتحانات قریب آئے تو میں ان سے خوف زدہ رہتا اور اپنے ارد گرد رہنے والے ان طالب علموں کو دیکھتا جو کہ مجھ سے پہلے میٹرک کے امتحانات دے چکے تھے تو یہ جان کر میرے خوف میں مزید اضافہ ہو جاتا کہ ان کی بڑی تعداد فیل ہو چکی تھی۔

وقت گزرتا گیا اور امتحانات شروع ہو گئے اور پہلا پیپر انگلش جو کہ میرے لیے سب سے مشکل مضمون تھا اسی کا آیا، میں بے اعتمادی والے ذہن کے ساتھ پیپر دینے کے لیے چلا گیا تو میں یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا کہ پیپر بہت آسان تھا مگر میں نے اپنے اوپر اعتماد نہ کرتے ہوئے پیپر کی تیاری ہی نہ کی تھی اس وجہ سے ایک آسان پیپر میرے لیے مشکل ثابت ہوا۔ اس سال میں انگریزی میں فیل ہونے کی وجہ سے زندگی میں پاس ہو گیا۔ میرا اعتماد اپنے اوپر اتنا بڑھ گیا کہ بڑے سے بڑا فلاسفر ہو یا سائنس دان، مذہبی اسکالر ہو یا کوئی شاعر کوئی فلم سٹار ہو یا میڈیا اینکر ہر ایک کے قول و فعل کو اپنی عقل سے پرکھتا پھر اس کے بعد اس کے رد و قبول کا فیصلہ کرتا۔ بحث و تکرار، سوال و جواب میری زندگی کا خاصہ بن گئے۔ علم حاصل کرنا، تنقید و تعریف کرنا میرے شوق ٹھہرے۔ غور و فکر کرنا، تدبر و تحقیق کرنا میری عادت بن گئی۔

ان وجوہات کی وجہ سے میں نے ذہنی غلامی اور تقلید پرستی سے تو نجات حاصل کر لی مگر نظریاتی طور پر میری زندگی ایک ہنگامہ خیز زندگی بن گئی۔ صبح کے وقت اگر کسی چیز کی تعریف بیان کر رہا ہوتا تو شام کے وقت اس کی مخالفت، شام کے وقت اگر کسی چیز کی مخالفت کر رہا ہوتا تو صبح کے وقت اس کی تعریف۔ اب نہ تو میں دین ہی کی کوئی

عزت کرتا اور نہ ہی سائنس کی، کبھی میں حکمت بھرے اقوال کی مخالفت کرتا اور کبھی فلسفے کی۔ میں اپنی اِس زندگی میں ملحد بھی رہا اور دین پرست بھی موحد بھی رہا اور مشرک بھی، عیسائی بھی رہا اور مسلم بھی، عقل پرست بھی رہا اور رسم پرست بھی، برادری پرست بھی رہا اور وطن پرست بھی۔ غرضیکہ میں اپنی اس 23 سالہ زندگی میں نظریاتی طور پر بہت سے نشیب وفراز سے گزرا۔ اس 23 سالہ زندگی کے پہلے سولہ سال میں اپنے منفی ذہن کے زیر اثر رہ کر دین سے دور رہا جب کہ آخری 7 سال میں مثبت ذہن کے زیرِ اثر رہا اور دین دار رہا۔ اب میں یہاں اپنی پہلی سولہ سالہ زندگی کے کچھ خاص خاص واقعات ذکر کروں گا جن کی وجہ سے میں دین سے دور رہا۔

میٹرک کے پہلے امتحان میں فیل ہونے کے بعد میں نے دوبارہ امتحان دیا اور بہت ہی کم نمبروں سے پاس ہو گیا اس دوران میں زراعت سے منسلک تھا، تعلیمی معاملات میں کند ذہن ہونے اور کچھ زراعت میں مصروف ہونے کی وجہ سے میں نے تعلیم کو خیر باد کہہ دیا مگر دو سال بعد میں پھر ایک سال کے لیے زراعت سے فارغ ہوا تو میں نے ایف۔ اے کے امتحانات کی پرائیویٹ طور پر تیاری شروع کر دی تو مجھے میرا ایک دوست ملا جو مجھ سے تقریباً چھ سال بڑا تھا اور علم وعقل میں بہت زیادہ بہتر تھا۔ تو اس نے مجھ سے پوچھا کہ ندیم آج کل کیا کر رہے ہو؟ میں نے جواب دیا: ایف۔ اے کی تیاری کر رہا ہوں پھر اس نے پوچھا کہ کس کالج جا رہے ہو؟ میں نے کہا کسی کالج نہیں جا رہا پرائیویٹ طور پر کر رہا ہوں۔ اس نے کہا کہ تم سمجھ لو کہ تم کچھ بھی نہیں کر رہے بلکہ وقت ضائع کر رہے ہو، لیکن اس وقت تک مجھ میں خود اعتمادی آ چکی تھی اس لیے نہ تو میں نے اس کی بات کو کوئی اہمیت دی اور نہ ہی اس کی بات مجھ پر اثر انداز ہوئی۔

مختصر یہ کہ میں نے تقریباً 7 ماہ کی پرائیویٹ تیاری کے بعد کم نمبروں کے ساتھ ایف۔ اے پاس کر لیا۔ جس سے میری خود اعتمادی میں مزید اضافہ ہوا۔ ایف اے سے فارغ ہونے کے بعد میں پھر زراعت سے منسلک ہوگیا۔ زراعت میں میری مصروفیت کم تھی، اس لیے میرا زیادہ وقت فارغ گزرتا یہ وقت میں زیادہ تر انڈین فلمیں، ہولی ووڈ فلمیں، معلوماتی ٹی۔ وی چینل دیکھنے میں گزارتا یا پھر عام گفتگو میں۔

اسی دوران میری ملاقات اپنے ہم عمر ایک دوست سے ہوئی جو کہ دین اسلام کا عالم تھا اور مفتی بننے کا کورس کر رہا تھا، کیونکہ میں دین پر عمل نہیں کرتا تھا جب کہ مفتی صاحب دین پر کچھ نہ کچھ عمل کرتے تھے۔ اس لیے ہماری دین کے معاملے میں اکثر بحث و تکرار ہوتی رہتی اور یہ بحث زیادہ تر تقدیر کے موضوع پر ہوتی اور اس معاملے میں مفتی صاحب مجھے قائل نہ کر پاتے۔

مفتی صاحب یہاں چھٹیاں گزارنے آتے تھے ایک سال جب مفتی صاحب چھٹیاں گزار کر چلے گئے تو میری محفل کچھ ایسے لوگوں کے ساتھ ہوگئی جو کہ عمر میں مجھ سے بڑے تھے اور میری ہی طرح دین سے دور بھی تھے۔

ان لوگوں میں ایک ایسا شخص بھی تھا جو کہ دنیاوی لحاظ سے نہ صرف عقل مند تھا بلکہ قوت گویائی اور حاضر دماغی سے لیس مسلسل مطالعہ کرنے والا شخص تھا۔ اس کے ساتھ بحث و تکرار اور سوال و جواب کرنے کی وجہ سے میرے ذہن میں مزید بہتری آتی گئی۔ وہاں میں ایک ملحدانہ سوچ رکھنے والا برادری پرست بن گیا۔ البتہ اس سوال نے کہ اگر خدا ہوا اور اس نے حساب لیا تو تمھارا کیا بنے گا؟ اس سوچ اور خوف نے میرے ذہن میں موجود دین کی کھڑکی کو مکمل طور پر بند نہ ہونے دیا اور اسی وجہ سے میری یہ نیت اور کوشش بھی رہی کہ اگر کوئی دین مجھے عقلی طور پر مطمئن کر دے۔ تو میں

دین کا پیرو ہو جاؤں گا اور اسی لیے جب بھی میں ٹی۔ وی دیکھتا اور اس پر اگر کہیں قرآن مجید کی ترجمہ کے ساتھ تلاوت ہو رہی ہوتی تو اسے بھی میں پانچ دس منٹ ضرور سنتا کہ شاید مجھے دین پر عمل کرنے کی کوئی عقلی دلیل مل جائے۔

لیکن جب بھی میں قران کو ترجمے کے ساتھ سنتا تو یا تو مجھے کچھ حاصل ہی نہ ہوتا یا پھر میں مزید دین سے دور ہو جاتا اور میں سوچتا کہ قرآن مجید میں ایسی کون سی خاص بات ہے کہ اسے اللہ کا کلام سمجھا جائے۔ اس میں تو چند احکامات ہیں اور کچھ قصے کہانیاں ہیں اور اگر کوئی عجمی اس قرآن کو عربی میں سنے تو یہ وجہ دردِ سر بنتا ہے اور ایسی ہی وجوہات کی بنا پر مین نے قرآن کو سننا بھی کم کر دیا۔

پھر ایک دن میری مفتی صاحب سے ان کی لائبریری میں ملاقات ہوئی تو وہاں مجھے دین اسلام کی دوسری معتبر کتاب صحیح البخاری جو کہ حدیث کی سب سے افضل کتاب ہے پڑھنے کا موقع مل گیا۔تو میں نے بخاری سے ایک حدیث پڑھی تو وہ حدیث اس طرح شروع ہو رہی تھی، ہم سے بیان کیا محمد بن مثنیٰ نے کہا ہم سے بیان کیا عبدالوہاب ثقفی نے کہا ہم سے بیان کیا ایوب نے انھوں نے قلابہ سے انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''......''

اس کے بعد آگے کوئی حدیث ہوتی جس میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے احکامات ہوتے۔ اس طرح سند کے ساتھ میں نے پہلی دفعہ حدیث پڑھی تھی، کیونکہ سکول میں ہم جب بھی حدیث پڑھتے تو وہ بغیر سند کے ہوتی تھی یعنی وہ ایسے شروع ہوتی تھی کہ روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے .....''

میں نے مفتی صاحب سے حیران ہو کر پوچھا کہ یہ حدیثیں معتبر کتابوں میں ایسے لکھی ہوتی ہیں۔ انھوں نے جواب دیا: ''ہاں'' پھر میں نے چار پانچ حدیثیں اور

پڑھیں اور کتاب بند کر کے مفتی صاحب سے کہا کہ اگر کوئی بات اس طرح پانچ چھ لوگوں کے درمیان سے گزر کر آپ کے پاس پہنچتی ہے تو اس میں لازمی طور پر فرق واقع ہو جاتا ہے اور ہو جانا بھی چاہیے۔ میری یہ بات سن کر مفتی صاحب خاموش ہو گئے اور میں نے دین اسلام کے خلاف بولنا شروع کر دیا۔

اس کے بعد میں دین اسلام کے مکمل طور پر خلاف ہو گیا۔ کبھی کوئی اعتراض دین اسلام پر لگاتا کبھی کوئی۔ اگر کوئی شخص مجھے دین اسلام پر عمل کرنے کی تبلیغ کرتا تو میں اسے دین اسلام سے دور کرنے کے لیے کوئی سوال کر دیتا اس کے بعد میں نے ایک سرسری سی نظر دین اسلام پر عمل کرنے والے لوگوں پر ڈالی خاص طور پر مولویوں پر تو میں نے ان کی بڑی تعداد کو کم عقل پایا۔ اب میرا منفی ذہن بہت مضبوط ہو چکا تھا اور میرا مثبت ذہن جو کہ دین کے حق میں ہوتا تھا وہ بہت ہی کمزور ہو کر موت کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔ اس دور میں میرے ملحدانہ نظریات بہت مضبوط تھے۔

ایک دن میرے ایک دوست نے مجھے نماز پڑھنے کا کہا تو میں نے اس سے سوال پوچھا کہ کیا آپ کی عقل اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ ایک جن جو کہ بہت نیک تھا اللہ تعالیٰ کو بغیر دیکھے اس کے احکامات پر عمل کرنے والا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص رحمت کی اور اسے اپنے فرشتوں میں ایک خاص مقام دیا اپنا انعام کیا۔ پھر ایک دن اللہ تعالیٰ نے اس سے کہا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو اور یہ کام بھی اس کے لیے انتہائی چھوٹا اور آسان تھا۔ تو سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر اس جن نے نہ کیا اور سجدہ نہ کرنے کی وجہ بھی غرور اور تکبر تھا، نہ کہ کوئی بھول چوک یا کوئی غلطی۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس سے اس کا وہ مقام و مرتبہ چھین لیا اور اسے کچھ خاص قسم کے اختیارات دے کر لمبی زندگی دی۔

اب میرا آپ سے سوال یہ ہے کہ کیا وہ جن یعنی شیطان جو کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور طاقت سے خوب آشنا تھا وہ اپنے محسن کے خلاف ایک ایسی جنگ شروع کرسکتا ہے جسے وہ یقینی طور پر جانتا ہو کہ وہ یہ جنگ ہار جائے گا اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے انتہائی سخت سزا کا مستحق ہو جائے گا؟

میرا دوست یہ سوال سن کر خاموش ہو گیا۔ میں نے پھر اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اسی بات کو بہتر طور پر سمجھانے کے لیے میں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں۔ مثال کے طور پر ہمارے گاؤں کا فلاں شخص جو کہ بہت ہی غریب ہے اب کسی بھی وجہ سے امریکہ کا صدر اس کا دوست بن جاتا ہے یا اس کا کوئی دوست امریکہ کا صدر بن جاتا ہے۔ اب امریکی صدر ہمارے ملک کے وزیر اعظم کو حکم دیتا ہے کہ فلاں شخص میرا دوست ہے۔ اسے عزت دو، دولت اور کوئی اچھا عہدہ دو۔ حکم کی تعمیل ہوتی ہے اور اس غریب شخص کو سب کچھ مل جاتا ہے۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد امریکی صدر اپنے غریب دوست کو کوئی چھوٹا اور آسان سا کام کرنے کے لیے کہتا ہے مگر وہ غریب دوست غرور اور تکبر کی وجہ سے اپنے محسن امریکی صدر کا کام کرنے سے انکار کر دیتا ہے اور وہ یہ بات بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ اس انکار کی وجہ سے نہ صرف اس کا عیش و آرام ختم ہو جائے گا بلکہ ایک لمبی مدت کے لیے سخت سزا بھی ملے گی۔

یہ مثال دینے کے بعد میں نے اپنے دوست سے سوال کیا کہ کیا آپ کی عقل قرآن مجید کے اس واقعہ ابلیس کو تسلیم کرتی ہے؟

میرا دوست خاموش ہو گیا اور بے بس ہو کر میری ہاں میں ہاں ملانے لگا۔ کچھ دن گزرنے کے بعد اسی دوست سے میری دوبارہ دین کے موضوع پر گفتگو ہوئی تو میں نے جذبات میں آ کر کہا کہ اگر میں صرف پندرہ بیس دن تھوڑی سی محنت کر لوں تو

میں دین اسلام کو ایک جھوٹا اور غلط دین ثابت کر دوں گا۔ میرے دوست نے کہا کہ یہ کام تم کیسے کر سکتے ہو؟ تو میں نے جواب دیا کہ میں قرآن مجید کو ترجمہ کے ساتھ پڑھوں گا اور ایسی دو آیات تلاش کروں گا جو کہ آپس میں متضاد ہوں۔

میرا دوست میری یہ بات سن کر غصے سے بولا کہ اگر تم یہ کام کر سکتے ہو تو پھر کرتے کیوں نہیں؟ میں نے جواب دیا کہ یہاں کے تمام لوگ میرے خلاف ہو جائیں گے اور مجھے نقصان بھی پہنچائیں گے۔ میرے اس جواب کے بعد میرا دوست خاموش ہو گیا اور ہمارا موضوع بھی تبدیل ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے محسوس کیا کہ میرا وہ دوست دین سے دور ہو چکا تھا۔

وقت ایسے ہی گزر رہا تھا کہ ایک دن میرے سامنے ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے مجھے آخرت میں سزا کے نہ ہونے کی ایک عقلی دلیل ملی۔

وہ واقعہ یہ تھا کہ میں اپنے ایک دوست کے گھر بیٹھا تھا اور ہم دونوں کسی گفتگو میں مصروف تھے کہ میرے دوست نے دیکھا کہ اس کا بچہ جو کہ ابھی گھٹنوں کے بل چلتا تھا وہ چلتے چلتے چیونٹیوں کی بل پر پہنچ گیا اور اس پر کچھ چیونٹیاں چڑھ گئیں اور ضرور کچھ چیونٹیوں نے اسے کاٹا بھی ہو گا۔ میرا دوست جلدی سے گیا، اپنے بچے کو اٹھا کر اس سے چیونٹیاں جھاڑیں اور مزید بہتر طریقے سے صفائی اور کپڑوں کی تبدیلی وغیرہ کے لیے گھر کے پیچھے والے حصے میں لے گیا۔ جب میں نے یہ سارا منظر دیکھا تو میرے ذہن میں خیال آیا کہ یہ چیونٹیاں اس گھر کے مالک کی جگہ میں رہتی ہیں۔ اسی کا گرا پڑا رزق کھاتی ہیں، پھر بھی گھر کے مالک کے بچے کو انھوں نے نقصان پہنچایا اور گھر کے مالک نے ان پر رحم کرتے ہوئے انھیں معاف کر دیا اور انھیں کوئی سزا نہ دی حالانکہ وہ انھیں سزا دینے پر قدرت بھی رکھتا تھا۔ اور یہیں سے میں نے آخرت میں سزا نہ ملنے

کی عقلی دلیل لی کہ اگر فرض کرو خدا ہوا بھی تو وہ انسانوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے آخرت میں کوئی سزا نہ دے گا، البتہ اچھے کاموں پر انعام دے سکتا ہے۔

ان جیسی وجوہات کی وجہ سے میرا منفی ذہن دین کی مخالفت میں بہت مضبوط ہو چکا تھا۔ اگر کبھی کبھار میرا مثبت ذہن جو کہ دین کا حامی تھا دین کو ثابت کرنے کے لیے میرے منفی ذہن سے بحث وتکرار کرتا تو اس معاملے میں بھی منفی ذہن کا پلڑا بھاری رہتا اور مثبت ذہن مات کھا جاتا۔ ان دونوں ذہنوں کے درمیان جو مختلف نوعیت کی بحث وتکرار ہوئیں اس کی چند مثالیں پیش کر رہا ہوں۔

میرا مثبت ذہن دین کو ثابت کرنے کے لیے بعض اوقات بارش کے نظام، دن رات کی تبدیلی کے نظام وغیرہ کو دلائل کے طور پر پیش کرتا تو میرا منفی ذہن سائنس کی علمی تشریحات کے ذریعے ان دلائل کو رد کر دیتا۔ ایک بار میرے مثبت ذہن نے دین کی حمایت میں یہ دلیل دی کہ نیکی اور بدی کا تصور دین ہمیں دیتا ہے۔ اگر ہم لوگ دین کو ماننا چھوڑ دیں تو نہ کوئی شخص دنیا میں کسی دوسرے شخص کے ساتھ بھلائی کرے گا اور نہ خود برے کاموں سے بچے گا۔ اس طرح دنیا میں فتنہ وفساد بڑھ جائے گا۔ تو میرے منفی ذہن نے اس بات کے یہ جوابی دلائل دیئے کہ فتنہ وفساد کو کنٹرول کرنا حاکم وقت کا کام ہے اور جہاں تک نیکی اور بدی کا معاملہ ہے تو دنیا میں نہ تو کوئی نیکی ہے اور نہ بدی۔

معاشرے کے لوگ اپنے ذہن کے مطابق جسے اچھا کام سمجھتے ہیں اسے نیکی کہہ دیتے ہیں اور جس کام کو برا خیال کرتے ہیں اسے بدی کہہ دیتے ہیں۔ اور بعض کاموں کو ایک ہی وقت میں بعض معاشروں میں نیکی تصور کیا جاتا ہے اور انہی کاموں کو بعض دوسرے معاشروں میں بدی تصور کیا جاتا ہے جیسے عورت کا پردہ، وطن اور قوم

پرستی، جہاد اور مختلف نوعیت کے قوانین وغیرہ۔

میرے منفی ذہن نے یہیں پر بس نہیں کی بلکہ اس نے نیکی اور بدی کی تعریف ہی کو الٹا کر دیا یعنی ہر نیکی میں بدی بھی ہوتی ہے اور ہر بدی میں نیکی بھی ہوتی ہے۔ جب میرے مثبت ذہن نے اس کی کوئی دلیل مانگی تو منفی ذہن نے یہ مثالیں پیش کیں کہ فرض کرو کہ کوئی چور چوری کرتا ہے تو جس شخص کی چوری ہوئی اس کے لیے اس میں نقصان اور برائی ہے مگر خود اس چور کے لیے اور اس کا مال کھانے والوں کے لیے اس میں فائدہ اور بھلائی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو فائدہ پہنچانے کی نیکی کرے گا تو وہ اپنا وقت اور مال ضائع کرنے یا اپنی ذہنی صلاحیت کو فضول استعمال کرنے کی وجہ سے خود اپنے نفس کے ساتھ بدی کر کے اسے نقصان ہی پہنچائے گا۔ میرے منفی ذہن کی نیکی اور بدی کے متعلق اس قسم کی تعریفات کے بعد میں نیکی اور بدی کو ایک ہی چیز تصور کرتا تھا۔

اسی طرح اگر میرا مثبت ذہن کبھی مجھے قرآن سننے پر آمادہ کر لیتا اور میں پانچ سات منٹ کے لیے قرآن کا ترجمہ سنتا تو میرا منفی ذہن وہاں بھی نکتہ چینیاں شروع کر دیتا مثلاً قرآن کے شروع میں ہی سورۃ البقرہ آیت نمبر 2 کا ترجمہ ہے:

''یہ کتاب اس میں کچھ شک نہیں کہ اس میں ہدایت ہے مگر متقیوں کے لیے۔'' [البقرۃ: ۲]

اس آیت پر میرا منفی ذہن یہ اعتراض لگاتا کہ متقی تو ہوتا ہی وہ ہے جو ہدایت پر ہو یا ہدایت کی ضرورت تو ہوتی ہی اسے ہے جو متقی نہ ہو۔ اسی طرح کی اور بھی بعض آیات تھیں اور بعض احادیث بھی تھیں۔ ان احادیث میں سے ایک حدیث یہ بھی تھی کہ ''جنت کے سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ جتنا

زمین و آسمان کے درمیان ہے۔''

اس حدیث کے متعلق میرا منفی ذہن سوالیہ انداز میں تنقید کرتا کہ اتنی بڑی جنت بنائی کہاں جائے گی؟ کیونکہ اتنی تو کائنات میں جگہ ہی نہیں ہے لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد مجھے بگ بینگ تھیوری کا پتا چلا اور میں نے اس کے متعلق کچھ اور معلومات حاصل کیں۔ میں کائنات کی وسعت کے بارے میں جان کر پریشان ہو گیا اور اس پریشانی کا اندازہ آپ میری اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ ایک بار میرے ایک دوست نے سوال کیا کہ یہ کائنات کتنی بڑی ہے؟ تو میں نے اسے جواب دیا کہ آج کی سائنس جو ہمیں اس کائنات کے متعلق بتاتی ہے اس علم کو اگر میں پوری ذمہ داری اور توجہ کے ساتھ آپ تک پہنچانے کی کوشش کروں اور آپ بھی غور سے میری باتوں کو سنیں تو ہم دونوں یا ہم دونوں میں سے کوئی ایک اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے۔ اس لیے میں تو آپ کو ایک دو منٹ میں اس کائنات کا ہلکا سا تعارف کروا دیتا ہوں۔ تو میں نے اپنے دوست کو زمین، نظامِ شمسی، لائٹ ائیر (نوری سال) اور کہکشاؤں وغیرہ کے متعلق ہلکا سا تعارف کروا کر بات کو ختم کر دیا۔

کائنات کی وسعت جاننے کے بعد میرا اس حدیث پر سے اعتراض ختم ہو گیا، یہ میرے منفی ذہن کی پہلی شکست تھی جس کی وجہ سے اس میں کمزوری پیدا ہونا شروع ہوئی اور میرے مثبت ذہن کو پہلی بار کوئی خوراک ملی اور اسے طاقت ملنا شروع ہوئی اور یہیں سے میری زندگی میں تبدیلی آنا شروع ہوئی اور میں نے دین کی طرف بڑھنا شروع کیا۔

ڈاکٹر اسرار احمد ؒ نے سورۃ الفلق کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''جدید فزکس تو آج تصوف بن چکی ہے۔'' ان کی یہ بات بالکل درست تھی، کیونکہ

میری ہدایت ظاہری اسباب کے لحاظ سے اسی تصوف سے شروع ہو رہی تھی، اس کے بعد میری عقل تھوڑی دیر کے لیے سٹیفن ہاک کی دو باتوں پر رکی رہی ان میں سے ایک بات تو یہ تھی کہ اتنی بڑی کائنات میں صرف اسی سیارے زمین پر زندگی ہو اور کہیں نہ ہو یہ ممکن نہیں اور دوسری بات یہ تھی کہ انسان کو اس کائنات میں زیادہ سے زیادہ نظامِ شمسی کی ضرورت تھی یا پھر اس ایک کہکشاں کی اس سے یہ عقلی دلیل نکلتی ہے کہ اتنی بڑی کائنات کی نہ تو انسان کو ضرورت تھی اور نہ ہی اس اکیلے کے لیے بنی ہے لیکن پھر میرے مثبت ذہن نے مجھے یہ سوچ دی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ایک بہت بڑی اور لامحدود ہستی ہے اسی طرح اس نے ایک بہت بڑی کائنات تخلیق کر کے انسان کو اپنا ایک تعارف کروایا ہے۔ اگرچہ یہ کائنات محدود ہے مگر انسان اور اس کی عقل کے لیے لامحدود ہی ہے۔ خود انسانی ذات کے لیے تو اتنی بڑی کائنات کی ضرورت نہیں تھی لیکن عقلی طور پر اللہ تعالیٰ کو تسلیم کرنے کے لیے انسانی عقل کو اتنی ہی بڑی کائنات کی ضرورت تھی۔

سٹیفن ہاک اور میری سوچ میں جو فرق واقع ہوا اس کی وجہ یہ تھی کہ سٹیفن ہاک کی دین والی کھڑکی مکمل طور پر بند ہو چکی تھی جب کہ میری دین والی کھڑکی مکمل طور پر بند نہیں ہوئی تھی۔

بگ بینگ کی تھیوری کے بعد میں نے ملحدانہ عقیدہ چھوڑ دیا۔ اب میری سوچ یہ ہوئی کہ اتنی بڑی کائنات جو کہ چل بھی رہی ایک منظّم طریقے پر ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اس کو بنانے والا کوئی بھی نہ ہو؟ کیا اتنی بڑی کائنات بائی چانس وجود میں آ کر بائی چانس منظّم طریقے سے چل سکتی ہے؟ کیا کسی سوال کا جواب بائی چانس بھی ہو سکتا ہے؟

میرے مثبت ذہن نے اس قسم کے سوالات اٹھا کر مجھے خدا کو ماننے پر مجبور کر

دیا۔ میرا وہ بچپن کا سوال کہ خدا کو کس نے بنایا ایک غلط سوال تھا جو ایک نامکمل جواب کی وجہ سے ذہن میں آتا ہے۔ اس سوال کا پورا جواب یہ ہے کہ ہر چیز کو کوئی نہ کوئی بنانے والا ہوتا ہے یا ہر چیز کے بننے کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ یا قانون ہوتا ہے، مگر کوئی ایک، واحد، اکیلی ہستی ایسی ضرور موجود ہے کہ جس کو بنانے والا کوئی نہیں اور وہ ہستی بہت ہی طاقتور ہے اور کوئی اس ہستی کو دیکھ نہیں سکتا اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔ ان باتوں کو ماننا انسانی عقل کی ضرورت بھی ہے اور مجبوری بھی، ورنہ انسانی عقل کبھی بھی کیوں، کیسے، اور کہاں کا جواب تلاش نہ کر سکے گی۔

ملحدانہ عقیدہ چھوڑنے کے بعد میری اپنے ایک ایسے دوست سے اسی موضوع پر گفتگو ہوئی جو کہ ملحدانہ سوچ رکھتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ یہ اتنی بڑی کائنات کیسے وجود میں آئی؟ اس نے جواب دیا: ایک بہت بڑے دھماکے کی وجہ سے۔ میں نے کہا: کہ وہ دھماکہ جن گیسوں کے مجموعے یا جس میٹریل میں ہوا وہ کہاں سے آیا؟ میرے اس سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

اسی طرح وقت گزر رہا تھا اب میں اس سوچ میں پڑ چکا تھا کہ اگر خدا ہے تو پھر آخرت کا ہونا بھی لازمی ہے کیوں کہ اس دنیا میں جتنے بھی ادیان ہیں اگر وہ خدا کو مانتے ہیں تو پھر آخرت کو بھی مانتے ہیں۔

اب میری عقل مجھے یہ سوال کر رہی تھی کہ دنیا میں پائے جانے والے تمام ادیان میں سے کون سا دین درست ہے کہ جس پر عمل پیرا ہو کر آخرت میں کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس معاملے میں میں نے دنیا کے پانچ سات بڑے ادیان پر غور کیا اور ان میں سے صرف دو ادیان ایسے پائے جو کہ تقریباً پوری دنیا میں پھیلے ہوئے تھے اور ان میں مختلف زبانیں بولنے والے مختلف ممالک اور قوموں کے لوگ

شامل تھے۔ ان میں سے ایک تو میرے اپنے آبا واجداد کا دین تھا یعنی دین اسلام اور دوسرا دین عیسائی تھا۔

میں نے عیسائی دین کی طرف رغبت اختیار کی۔ میری عیسائیت کو دین اسلام پر فوقیت دینے کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ میں نے دیکھا کہ تمام مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر مانتے ہیں اور عزت دیتے ہیں اور اسی طرح تمام عیسائی بھی انھیں معزز جانتے ہیں اس طرح لوگوں کی سب سے زیادہ تعداد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عزت کرنے والی ہے جب کہ اس کے برعکس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمان تو پیغمبر مانتے اور انھیں عزت دیتے ہیں مگر عیسائی ایسا نہیں کرتے اس وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کرنے والے لوگوں کی تعداد کو میں نے دنیا میں دوسرے نمبر پر پایا۔ یعنی زیادہ تعداد کی وجہ سے میں نے عیسائیت کی طرف رغبت اختیار کی۔ اس کے علاوہ عیسائی مذہب کے عقائد و اعمال کا میرے پاس کچھ بھی علم نہ ہونے کی وجہ سے نہ تو میں اس مذہب کے کسی منفی پہلو کو جانتا تھا اور نہ ہی میں اس مذہب پر کوئی اعتراض رکھتا تھا سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دینے کے جب کہ اس کے برعکس دین اسلام کی بعض باتوں کا میرے پاس تھوڑا سا علم ہونے کی وجہ سے میں دین اسلام پر کچھ اعتراضات بھی رکھتا تھا اور یہ اعتراضات بھی مجھے دین اسلام سے دور اور عیسائیت کے قریب کرنے کی وجہ بنے۔ وہ اعتراضات یہ تھے:

① دین اسلام میں تقدیر کا مسئلہ میری سمجھ میں نہ آتا تھا اور نہ ہی میرے گلی محلے کا کوئی عالم مجھے اس پر مطمئن کر سکا۔

② بعض قرآنی آیات اور احادیثوں کو میری عقل تسلیم نہیں کرتی تھی۔

③ میری عقل یہ اعتراض بھی رکھتی تھی کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم واقعی کوئی پیغمبر تھا تو اس کے

مبعوث ہونے کا بہتر وقت موجودہ ترقی یافتہ دور تھا۔ تاکہ ویڈیو ریکارڈنگ کی شکل میں ان کے قول وفعل کو بہتر طور پر محفوظ کیا جا سکتا۔

④ قرآن مجید پر شک رکھنے کی وجہ سے میرا ذہن قرآن کے متعلق یہ سوال اٹھاتا کہ اس کتاب میں آنے والے ہر سو سال کے متعلق کوئی واضح پیشین گوئی موجود ہونی چاہیے تھی تاکہ آنے والے لوگوں کے ایمان کو عقلی طور پر تقویت ملتی اور دین اسلام اپنے آپ کو ایک سچے دین کے طور پر ثابت کرسکتا۔

⑤ واقعہ کربلا بھی مجھے دین اسلام سے دور کرنے کی ایک وجہ بنا۔ میں سوچتا کہ اگر یہ دین سچا ہوتا تو اتنی جلد اتنا بڑا ظالمانہ واقعہ نہیں ہوسکتا تھا۔

⑥ اس دین سے دور ہونے کی میری ایک وجہ جہاد یعنی عام لوگوں کو جنگ کی طرف اکسانا ہے۔

⑦ مردوں کو غلام اور عورتوں کو لونڈیاں بنانا۔

⑧ محمد ﷺ کا کثرت سے شادیاں کرنا۔

⑨ چھ سات سو یہودیوں کا قتل کرنا۔

⑩ میں دیکھتا کہ مسلم ممالک کے علاوہ تمام ممالک مال و دولت، علم وعقل، عسکری قوت اور اختیارات وغیرہ، ہر لحاظ سے ترقی پر تھے، خاص طور پر عیسائی ممالک۔ جبکہ مسلمان ممالک ہر معاملے میں پیچھے تھے، اسی لیے میں یورپ ممالک سے بہت متاثر تھا اور ان کی تقلید کو اپنے لیے باعث فخر بھی سمجھتا تھا۔

ان جیسی وجوہات کی بنا پر میں دین اسلام کو شک کی نگاہ سے دیکھتا تھا جبکہ عیسائیت کا علم اور انجیل کا مطالعہ نہ ہونے کی وجہ سے اگرچہ میرا عیسائیت پر مضبوط ایمان تو نہ تھا لیکن مجھے اس پر شک بھی نہ تھا۔

عیسائیت کے معاملے میں ابھی میری سوچ یہیں تک ہی پہنچی تھی کہ میری زندگی میں ایک اور اہم واقعہ پیش آ گیا۔ ہوا یہ کہ میں ایک سنوکر کلب میں موجود تھا، وہاں ٹی وی چل رہا تھا، ایک لڑکا چینل تبدیل کر رہا تھا تو اسے ایک دوسرے لڑکے نے آواز دی کہ پیچھے والا چینل لگانا وہاں ڈاکٹر ذاکر نائیک کا پروگرام چل رہا ہے۔ میں بھی کچھ سیکنڈ کے لیے ٹی وی کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ دیکھنے کے لیے یہ ڈاکٹر ذاکر نائیک کون ہے، کیونکہ میں نے یہ نام پہلی بار ہی سنا تھا۔

میں نے دیکھا کہ ایک کمزور جسامت والا مولوی اسٹیج پر کھڑا تھا اور لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد اس کو سن رہی تھی۔ اتنا دیکھنے کے بعد میں پھر سنوکر کی طرف متوجہ ہو گیا اور یہ سوچنے لگا کہ اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کہ کسی ایک ہی مولوی کو سنتے ہیں، یہ لڑکا اس مولوی کو سنتا ہو گا۔ اس وقت ڈاکٹر ذاکر نائیک کو کسی نے سوال کیا جو کہ بہت مشکل تھا۔ وہ مشکل سوال سننے کے بعد میں اپنے دل میں بہت ہی خوش ہوا۔ اور میں نے ڈاکٹر ذاکر نائیک کے متعلق یہ سوچا کہ اس سوال کی وجہ سے نائیک صاحب پھنس چکے ہیں لیکن اگلے ہی لمحے جب میں نے ڈاکٹر ذاکر نائیک کو اس سوال کا جواب دیتے ہوئے سنا تو مجھے اپنے کانوں پر بھروسا نہیں ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک بغیر دیکھے قرآن، انجیل اور توریت وغیرہ سے حوالے دے رہا تھا۔

میں حیران کھڑا تھا اور اب غور سے ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک کو اس وقت تین چار نہایت مشکل سوال کیے گئے اور اس نے سب سوالات کے حوالہ جات کے ساتھ فر فر جواب دے دیئے۔ اس کے بعد بجلی چلی گئی۔ میں نے وہاں موجود لڑکوں سے پوچھا کہ یہ مولوی کس چینل پر آتا ہے؟ کس وقت آتا ہے؟ تو انھوں نے مجھے جواب دیا کہ یہ اسی چینل پر آتا ہے اور کثرت سے آتا ہے۔

اس کے بعد میں اکثر پیس ٹی وی دیکھتا اور ڈاکٹر ذاکر نائیک کو سنتا۔ ایک دن جب ڈاکٹر ذاکر نائیک سوالات کے جوابات دے رہا تھا تو اسے تقدیر کے متعلق بھی سوال کیا گیا۔ تو ڈاکٹر ذاکر نائیک نے اس مسئلے کو دو منٹ میں حل کر دیا۔ اس نے بتایا کہ تقدیر نام ہے، اللہ تعالیٰ کے اندازے کا۔ پھر اس نے مثال دے کر بات سمجھائی۔ (اس مسئلے کی تفصیل آئندہ صفحات میں آ رہی ہے)۔

اب تقدیر کا مسئلہ حل ہو چکا تھا۔ اور میری گمراہی میں 50 فیصد کردار اسی مسئلے کا تھا۔ اس بڑے مسئلے کے حل ہو جانے کے بعد دین اسلام کے متعلق میرے ذہن میں آنے والے باقی کے اعتراضات بھی کمزور پڑ چکے تھے۔ اب میں دین اسلام کی طرف دوبارہ راغب ہو گیا لیکن میں ابھی نام نہاد مسلمان ہی ہوا تھا۔ میں نے دین اسلام پر عمل شروع نہیں کیا تھا اور اب میری دین اسلام پر عمل نہ کرنے کی مندرجہ ذیل وجوہات تھیں:

① میں سوچتا تھا کہ اللہ تعالیٰ بہت غفور الرحیم ہے، وہ گناہوں کی وجہ سے کسی بھی شخص کو سزا نہ دے گا۔ نیک اعمال کرنے والوں اور برے اعمال کرنے والوں کے درمیان فرق صرف یہی ہو گا کہ نیک لوگوں کو جنت کے اعلیٰ درجات ملیں گے جب کہ برے اعمال کرنے والوں کو جنت میں درجات نہیں ملیں گے۔ اس لیے نیک اعمال کا کوئی خاص فائدہ نہ ہو گا۔

② محمد ﷺ اپنی امت کے تمام گناہگاروں کی شفاعت کر کے انھیں معافی دلا دیں گے۔

③ اگر میں دین اسلام پر عمل کروں تو اس میں بہت سے فرقے پائے جاتے ہیں جن میں سے نجات صرف ایک ہی فرقے کو ملے گی۔ اور میرے پاس اتنا علم نہیں ہے کہ میں یہ معلوم کر سکوں کہ نجات والا فرقہ کون سا ہے؟ اور ایسا نہ ہو کہ

میں جو بھی اعمال کروں وہ ضائع ہو جائیں۔

④ میں نے بعض مذہبی لوگوں سے یہ سن رکھا تھا کہ اگر کسی شخص کی ایک نماز قضا ہو جائے تو اس کی سزا پچاس ہزار سال جہنم میں جلنا ہے۔ مجھے اپنی عادت کا پتا تھا کہ مجھ سے اکثر صبح کی نماز قضا ہو جایا کرے گی، اس طرح میں نماز پڑھنے کے باوجود بھی جہنم میں جاؤں گا۔ عمل پر سخت مشقت کرنے اور وقت لگانے سے بہتر ہے کہ عمل نہ کر کے ہی جہنم میں جایا جائے۔

⑤ میرے اندر کافی سستی پائی جاتی تھی جس کی وجہ سے دین اسلام کا ایک انتہائی اہم اور ضروری عمل یعنی پانچ وقت باقاعدگی سے نماز پڑھنا میرے لیے مشکل عمل تھا۔

⑥ اپنے کپڑوں کو پاک رکھنا میرے لیے آسان کام نہ تھا، خاص طور پر بارش کے موسم میں۔

⑦ ہمارے معاشرے کے تقریباً پچاسی فیصد لوگ دینی تعلیمات پر عمل نہ کرتے تھے۔ اس وجہ سے موجودہ ماحول بھی ایک رکاوٹ تھا۔

⑧ سخت سردی وضو کی وجہ سے نماز میں مشکل پیدا کر دیتی تھی اور سخت گرمی کے روزے رکھنا میرے لیے بہت مشکل کام تھا۔

⑨ پہلے ہی میری آمدن کم ہے اور اگر میں نے نماز پڑھنی شروع کر دی تو میری آمدن میں مزید کمی واقع ہو جائے گی لیکن یہ خیال انتہائی کمزور تھا۔

ان وجوہات کی وجہ سے میں عملی طور پر دین اسلام سے دور رہا۔ وقت اسی طرح بے دینی اور گمراہی میں گزر رہا تھا مگر ساتھ ہی ساتھ میں پیس ٹی وی بھی زیادہ سے زیادہ دیکھنے لگا تھا اور اب میں ڈاکٹر اسرار احمد کی تفسیر بھی سننے لگا تھا۔

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کی تفسیر سننے کا مزا تو بہت آتا مگر جب وہ کسی عمل والی

آیت کی تشریح کرتے تو میں خود کو بے عملی کی وجہ سے واضح طور پر جہنمی محسوس کرتا اور خوف زدہ ہو کر چینل تبدیل کر دیتا۔

دوسری طرف میں ڈاکٹر ذاکر نائیک کو اکثر سنتا رہا اور دین اسلام کے حق پر ہونے کے مزید دلائل حاصل کرتا رہا۔ اب ڈاکٹر ذاکر نائیک کے میں ایسے خطابات بھی سن چکا تھا کہ جن میں اس نے محمد ﷺ کے آنے اور ان کے پیغمبر ہونے کے دلائل مختلف مذہبی کتابوں سے دیئے تھے۔ ان کتابوں میں تورات، زبور، انجیل اور ہندوؤں کے وید وغیرہ شامل تھیں۔ یہ دلائل سننے کے بعد دین اسلام پر عمل کرنے خاص طور پر نماز پڑھنے کے خیالات میرے دل میں ابھرنے لگے تھے۔

اسی دوران کیبل پر ایک ڈرامہ شروع ہو گیا جو کہ حضرت یوسف علیہ السلام پر بنایا گیا تھا۔ اس ڈرامے میں مَیں حضرت یوسف علیہ السلام کے کردار سے بہت متاثر ہوا جو کہ اپنے اندر بہت سی خوبیاں رکھتا تھا، مثلاً تقویٰ، سچ گوئی، دوسروں کی خیر خواہی، نرمی، کسی لالچ کا نہ ہونا وغیرہ وغیرہ ان خوبیوں کی وجہ سے نہ صرف وہ ایک پرسکون زندگی گزار رہا تھا، بلکہ وہ ہر چیز پر فتح پا لیتا اور اس کے لیے نہ تو اسے کوئی سخت مشقت کرنی پڑتی اور نہ کوئی سخت کوشش۔ اس کردار سے میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جو خوبیاں اس کردار میں ہیں دین اسلام بھی انسان سے انھیں خوبیوں کا تقاضا کرتا ہے اور اگر یہ خوبیاں میں اپنے اندر پیدا کر لوں تو نہ صرف میں ایک اچھا مسلمان ہونے کی وجہ سے آخرت میں کامیاب ہو جاؤں گا، بلکہ اس دنیا میں بھی ایک اچھی کامیاب اور پرسکون زندگی گزاروں گا۔

اگرچہ اب میں آخرت کی زندگی کو ماننے لگا تھا، مگر اس وقت میرے اندر صرف اور صرف دنیاوی زندگی کو ہی بہتر اور پرسکون بنانے کا لالچ آیا اور اسی لالچ نے مجھے

دین اسلام پر عمل کرنے کے لیے مجبور کر دیا۔ صرف دنیا کو بہتر کرنے کے لیے دین پر عمل کرنا یہ دنیا کو ترجیح دینا ہے آخرت پر جو کہ کبیرہ گناہ ہے کیونکہ میں نے دین اسلام کو عقلی طور پر پرکھا اور سمجھا تھا اس لیے یہ میری عقل کی آواز تھی اور ہوسکتا ہے یہ نیت اور سوچ رکھنے والا میں دنیا میں اکیلا ہی ہوں اور اس بات سے دین کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ زندگی دنیاوی ہو یا اخروی، انفرادی ہو یا اجتماعی دین پر عمل کے بغیر بہتر نہیں ہوسکتی۔

اب میں نے نماز پڑھنے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن یہاں میرے منفی ذہن نے جو کہ اب بہت کمزور ہو چکا تھا مجھے یہ تجویز دی کہ دین اسلام پر عمل کرنا ایک مشکل کام ہے خاص طور پر نماز کی پابندی اور گرمی کے روزے وغیرہ۔ اس کے علاوہ تمھیں دین اسلام پر کچھ نہ کچھ اعتراضات اب بھی ہیں اگرچہ ان کی شدت میں اب کمی آ چکی ہے۔

فرض کرو کہ تم چھ ماہ یا ایک سال دین پر عمل کرتے ہو اور اس کے بعد دین اسلام کا کوئی اعتراض تمھارے سامنے آنے کی وجہ سے تم نے دین اسلام پر عمل کرنا چھوڑ دیا تو اس سے نہ صرف تمھارے پہلے کیے جانے والے اعمال ضائع ہو جائیں گے، بلکہ تمھارا بہت سا وقت بھی ضائع ہو جائے گا۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ تم پورے قرآن کا ترجمہ غور سے موبائل پر سن لو تا کہ اگر تمھارا کوئی اعتراض ہو تو تم اس کا جواب حاصل کر لو گے یا پھر عمل کرنے والی مشقت میں ہی نہ پڑو گے۔ میں نے اسی تجویز کو ترجیح دی۔

اس کے بعد میں نے پورے قرآن کو ترجمے کے ساتھ ریکارڈ کروا کر خوب توجہ سے سنا۔ جب میں نے قرآن مجید کو سننا شروع کیا اس وقت میرے قرآن اور دین اسلام پر تقریباً دس کے قریب اعتراضات ہوں گے۔ قرآن سنتے وقت کبھی دو اعتراضات کم ہو کر آٹھ رہ جاتے، کبھی چار بڑھ کر بارہ ہو جاتے، کبھی آٹھ کم ہو کر

چار رہ جاتے، کبھی دس بڑھ کر چودہ ہو جاتے۔ جب قرآن مجید کا ترجمہ میں نے مکمل سن لیا اس وقت میرے اعتراضات دین اسلام پر آٹھ دس رہ گئے ہوں گے۔

اس کے بعد میں نے دوبارہ مزید پورے قرآن کو ترجمے کے ساتھ سنا تو میرے اعتراضات مزید کم ہو کر چار پانچ رہ گئے، لیکن اب میں دین اسلام اور قرآن مجید سے مکمل طور پر مطمئن ہو گیا تھا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ یہ جو اعتراضات رہ گئے ہیں یہ کم علمی کی وجہ سے رہ گئے ہیں اور ان کے جوابات بھی مجھے مل جائیں گے اور اگر نہ بھی ملے تو کوئی بات نہیں، کیونکہ اگر تمام اعتراضات کے جوابات حاصل کرنے کے بعد ہی میں نے دین اسلام پر عمل شروع کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میرا ایمان بالغیب بہت ہی کمزور ہے جو آنے والے وقت میں بھی میرے لیے کوئی خرابی پیدا کر سکتا ہے۔

اس کے بعد میں نے پھر نماز پڑھنے کا ارادہ کیا تو میرے منفی ذہن نے مجھے کہا کہ پہلے یہ معلوم کرو کے کون سا فرقہ حق پر ہے پھر اس مسلک کے طریقے پر نماز پڑھنا۔ لیکن اس وقت مجھے نہ تو تمام فرقوں کا ہی پتا تھا اور نہ ہی میرے پاس اتنا علم ہی تھا کہ میں کسی فرقے کا خود انتخاب کر سکتا۔ اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ اپنے دوستوں سے جن کے پاس کچھ علم ہے ان سے تھوڑی بہت فرقوں کی معلومات حاصل کر کے کسی فرقے کا انتخاب کر لیتا ہوں۔

اس وقت پاکستان میں چار بڑے فرقے تھے جن میں تین فرقوں کو میں تھوڑا بہت جانتا تھا جب کہ چوتھے فرقے کو میں بالکل نہیں جانتا تھا۔ اس فرقے کی معلومات کے لیے میں نے اپنے ایک دوست کو فون کیا جس کا تعلق اسی چوتھے فرقے سے تھا۔ میں نے اس سے رسمی سی گفتگو کے بعد اپنے فون کرنے کا مقصد بیان کیا۔ اس نے مجھے کہا کہ آپ نماز پڑھنی شروع کرو، ان فرقوں کی معلومات لینے کی کوئی

ضرورت نہیں۔ اس وقت جنوری کا مہینہ تھا جس میں سخت سردی ہوتی ہے، اس سردی کی وجہ سے بھی میں نماز میں سستی کر رہا تھا اور میرا ارادہ تھا کہ ایک مہینہ ٹھہر کر جب سردی کی شدت میں کمی آ جائے گی تو نماز شروع کروں گا اتنا میں اس فرقے کی معلومات ہی حاصل کرتا ہوں۔

کچھ دن ٹھہر کر میں نے پھر اپنے اسی دوست کو فون کیا اور میں نے اس کے فرقے کی معلومات لینے کی کوشش کی، مگر اس نے اس بار مجھے نماز پڑھنے کی تلقین کی اور فرقوں کی معلومات میں پڑنے سے منع کیا۔ جب فروری کا مہینہ آ گیا تو میں نے آخری بار پھر اپنے اسی دوست کو اسی مقصد کے لیے فون کیا لیکن اس نے پھر مجھے نماز پڑھنے کا کہا۔ اس کے بعد میں نے نماز پڑھنی شروع کر دی۔ جس وقت میں نے نماز پڑھنی شروع کی اس وقت مجھے صرف چھ سورتیں ہی زبانی آتی تھیں لیکن ایک دو ماہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی وجہ سے میں نے تقریباً چھوٹی چھوٹی بیس کے قریب سورتیں یاد کر لیں اور ساتھ ہی میں نے فجر کی نماز کے بعد اور مغرب کی نماز کے بعد قرآن مجید کا مطالعہ شروع کر دیا اور اس میں گہری دلچسپی رکھنے کے لیے کچھ خاص قسم کی آیات کا ترجمہ ایک کاپی پر درج کرتا رہا۔

اس عمل سے میرے علم میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ اگر کوئی شخص روزانہ صرف ایک گھنٹہ دینی علم کے لیے وقف کرے تو تقریباً چار سالوں میں اس کے پاس علم کی ایک خاص مقدار جمع ہو جائے گی۔ پھر جیسے جیسے وقت گزرتا جائے گا ویسے ویسے علم بڑھتا جائے گا، البتہ اس طرح کے مختلف معاملات سے گزر کر میں ہدایت پر آ گیا۔

آخری سات سال:

اب میں یہاں اپنے آخری سات سالوں کے کچھ خاص واقعات تحریر کروں

گا۔ یہ واقعات میرے ہدایت پر آنے کے بعد کے ہیں۔ ان واقعات میں حالت گمراہی کے تمام اعتراضات کے جوابات موجود ہیں۔ ہر واقعہ کو تحریر کرنے کے بعد اس کی حد بندی کی گئی ہے، پھر اس کے بعد اگلا واقعہ تحریر کیا گیا ہے۔

قرآن مجید کے باغور ترجمہ پڑھنے سے نہ صرف میرے تقویٰ میں اضافہ ہوا، عقیدے کی درستگی ہوئی، علم و ایمان میں اضافہ ہوا، بلکہ میں نے یہ بھی جانا کہ اس کتاب کو روزانہ پڑھنا اور اس میں غور و تدبر کرنا ہر شخص کے لیے انتہائی اہم ہے خاص طور پر مبلغین کے لیے۔ پورے قرآن کا باغور ترجمہ پڑھنے کے بعد میں اس بات کو بھی سمجھ گیا کہ حالت گمراہی میں جب میں پانچ دس منٹ کے لیے قرآن کا ترجمہ سنتا تو میں دین اسلام سے مزید دور کیوں ہو جاتا تھا۔ اس کی درج ذیل وجوہات تھیں:

① اس کی سب سے بڑی وجہ مجھے یہ حدیث پڑھنے کے بعد پتا چلی: ''اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کرنا چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔'' یعنی اس دنیا میں سب سے قیمتی چیز دین کی سمجھ ہے، اب یہ دین کی سمجھ جو کہ دنیا و آخرت کی تقریباً سب سے قیمتی چیز ہے حالت گمراہی میں مجھے قرآن سننے کے باوجود اس لیے نہیں ملی کہ اس وقت میری دین اسلام کی طرف نیت تو ہوتی، مگر اس میں اخلاص، کوشش اور سنجیدگی صحیح طور پر نہیں ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ ایسے غیر سنجیدہ شخص کو دنیا و آخرت کی سب سے قیمتی چیز کیسے عطا فرما دیتا اور جب اسی شخص نے اخلاص نیت اور سنجیدہ کوشش کے ساتھ پورے قرآن کو سنا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کرتے ہوئے وہ قیمتی چیز عطا فرما دی۔

② قرآن مجید کا ترجمہ سننے کے باوجود دین اسلام سے دور ہونے کی دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے اس کا ایک خاص طریقہ و ترتیب ہے۔

ایک ایسا شخص جو دین اسلام یا قرآن کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتا ہے جب تک وہ اس خاص طریقے و ترتیب کو نہیں جان لیتا اس وقت تک اس کا قران مجید کے ذریعے سے ہدایت حاصل کرنا مشکل ہے۔ اس کی مثال تقسیم کے سوال کی طرح ہے کہ جس طرح ایک سٹوڈنٹ تقسیم کا سوال حل کرنا اس وقت تک نہیں جان سکتا جب تک کہ وہ جمع، ضرب اور تفریق کے سوالات حل کرنا نہیں جان لیتا۔ قرآن مجید کو سمجھنے کی وہ ترتیب جو میں نے قرآن کا ترجمہ پڑھنے کے بعد جانی وہ درج ذیل آیات سے معلوم ہوئی تھی:

''یہ کتاب اس میں کچھ شک نہیں اس میں ہدایت ہے متقیوں کے لیے۔''

[البقرۃ: ۲]

اس آیت کو حالت گمراہی میں مَیں دین اسلام کی مخالفت میں استعمال کرتا تھا اور اس آیت کا یہ کہہ کر مذاق اڑاتا تھا کہ متقی کو تو ہدایت کی ضرورت ہی نہیں ہوتی اور متقی تو ہوتا ہی وہ ہے جو ہدایت یافتہ ہو، لیکن جب میں نے حالتِ ہدایت پر آنے کے بعد اس آیت کو نیک نیتی سے پڑھا اور اس پر غور کیا تو یہی آیت مجھے اس دین اسلام کے قریب کرنے کا باعث بھی بنی۔ یعنی ایک ہی آیت دو متضاد کام کر رہی تھی، جو جس نیت سے قرآن کو پڑھے گا ویسی ہی مراد اس سے پا لے گا۔

جب میں قرآن مجید کا مطالعہ کر رہا تھا تو میں نے اپنی ذاتی رائے سے اس لفظ متقی سے مراد وہ لوگ لیے تھے جو اس کائنات اور اس کے اندر پائے جانے والی چیزوں پر غور و تدبر کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس کائنات کا بنانے والا کوئی نہ کوئی موجود ہے، اتنی بڑی اور منظّم طریقے سے چلنے والی کائنات بائی چانس وجود میں نہیں آئی۔ اسے منظّم طریقے پر چلانے والی کوئی نہ کوئی ہستی موجود ہے۔

یہ سوچ ان لوگوں کو ادیان کی طرف متوجہ کرتی ہے اور تمام ادیان خدا اور آخرت کو مانتے ہیں، اس لیے یہ لوگ بھی خدا اور آخرت پر ایمان و یقین رکھنے لگتے ہیں، پھر آخرت میں انتہائی لمبی مدت اور سخت سزا کا خوف ان لوگوں کو اس بات پر مجبور کر دیتا ہے کہ اس راستے کو تلاش کریں جو انھیں آخرت میں کامیابی دلا سکتا ہے۔

یہ سوچ میرے نزدیک تقویٰ کی ابتدائی شکل ہوتی ہے۔ یہ تقویٰ آنے کے بعد جو شخص بھی اس قرآن کا مطالعہ کرے گا تو اس کے لیے اس کتاب میں ہدایت ہو گی اور جو شخص صرف آنکھوں کے سامنے موجود چیزوں ہی کو ماننے کا قائل ہو اور غیب پر ایمان نہ رکھتا ہو اس کے لیے اس قرآن میں کوئی ہدایت نہیں۔

ایمان بالغیب میں وہ تمام چیزیں آتی ہیں جو آنکھوں سے مخفی ہوں مثلاً جنت، جہنم، فرشتے وغیرہ۔ ایمان بالغیب کے عقیدے پر حالت گمراہی میں مَیں سخت تنقید کرتا تھا اور اپنے آپ سے کہتا تھا کہ تمام ادیان نے اپنے آپ کو اسی بے عقلی پر مبنی اصول پر زندہ رکھا ہوا ہے۔

جب میں نے ہدایت پر آنے کے بعد اس عقیدے پر غور و تدبر کیا تو میں نے محسوس کیا کہ نہ تو کوئی دین ایمان بالغیب کے بغیر مکمل ہو سکتا ہے اور نہ ہی کوئی شخص اس عقیدے کے بغیر دین پر قائم رہ سکتا ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایمان بالغیب کو لازمی اور ضروری قرار دیا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ایمان بالغیب کی چیزوں یعنی جنت، جہنم اور فرشتوں وغیرہ کو لوگوں کے سامنے کر دے تو سب لوگ ہی انھیں مان لیں گے اور سب کے سب عبادت گزار اور متقی بن جائیں گے۔ فرشتوں کی طرح اور اگر اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کروانی ہوتی تو انسان کو پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی، اس کے

لیے تو فرشتے موجود تھے، حالانکہ قیامت کے دن ان چیزوں کے دیکھنے کے بعد تمام کافر ایمان لے آئیں گے، مگر اس وقت یہ ایمان قابل قبول نہ ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایمان بالغیب چاہیے۔

ترجمہ: ''وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری جس میں واضح مضبوط آیتیں ہیں جو اصل کتاب ہے اور بعض متشابہ آیتیں ہیں۔ پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس کی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ فتنے کی طلب اور ان کی مراد کی جستجو کے لیے حالانکہ ان کی حقیقی مراد کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا اور پختہ ومضبوط علم والے یہی کہتے ہیں کہ ہم تو ان پر ایمان لا چکے ہیں یہ ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو صرف عقل مند ہی حاصل کرتے ہیں۔'' [آل عمران: ۷]

اس آیت کو پڑھنے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دو بڑی اقسام کی آیات نازل فرمائی ہیں ایک تو وہ آیات ہیں جو کہ واضح اور صاف مفہوم رکھتی ہیں اور یہی آیات قرآن مجید اور دین اسلام کی اصل ہیں اور عام انسان کو اپنی زندگی میں انھیں آیات کی ضرورت ہوتی ہے اور دوسری قسم ان آیات پر مشتمل ہے جو کہ متشابہ آیات کہلاتی ہیں۔ ان آیات کے معانی و مفاہیم واضح نہیں نہ ہی انھیں کوئی جانتا ہے اور نہ ہی انسان کو اپنی دنیاوی زندگی میں ان آیات کی ضرورت پڑتی ہے۔

اب جو شخص بھی اس قرآن کو نیک نیتی، تقویٰ اور ایمان بالغیب رکھتے ہوئے اس کا مطالعہ کرے گا وہ تو ان متشابہ آیات کے پیچھے نہ پڑے گا اور گمراہی سے بچا رہے گا۔ مگر جس شخص میں نیک نیتی، تقویٰ اور ایمان بالغیب نہ ہوگا وہ واضح مضبوط آیتوں کو چھوڑ کر انھیں متشابہ آیات کے پیچھے پڑ جائے گا اور گمراہی میں چلا جائے گا۔

اس آیت کو پڑھنے کے بعد میں جان گیا کہ جب حالت گمراہی میں مَیں قرآن مجید کو سنتا تھا تو انہی متشابہ آیات کی وجہ سے میری گمراہی بڑھ جاتی تھی۔سورت بقرہ کی آیت: 2,3 اور سورت آل عمران کی آیت نمبر 7 اور پیچھے بیان کی گئی حدیث سے میں نے دین اسلام اور قرآن مجید کو سمجھنے اور ان سے ہدایت حاصل کرنے کے لیے جن چیزوں کو ضروری سمجھا ہے وہ یہ ہیں:

① سنجیدہ کوشش۔

② تقویٰ کی ابتدائی اسٹیج۔

③ ایمان بالغیب۔

④ اپنے لیے اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دعا کرتے رہنا۔

⑤ متشابہ آیات سے بچنا۔

جو شخص بھی قرآن مجید کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتا ہے جب تک اس کے اندر یہ پانچ چیزیں نہ ہوں گی، اس وقت تک اس کا قرآن مجید کے ذریعے سے ہدایت حاصل کرنا مشکل ہے اور اگر کوئی شخص اپنے شک و شبہ میں کمی کرنا چاہتا ہو تو وہ قرآن مجید کے مطالعہ سے پہلے مولانا ابو الاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ کی تفسیر تفہیم القرآن کا مقدمہ پڑھے اس سے قرآن مجید کے سمجھنے میں کافی مدد ملے گی۔

پہلا اعتراض:

سب سے پہلے میرے ذہن میں دین کے بارے میں جو اعتراض پیدا ہوا تھا وہ دودھ والے سوال سے ہوا تھا، جس نے پہلی بار میرے منفی ذہن کو تقویت دی تھی۔ اس اعتراض کا جواب مجھے قرآن مجید کی اس آیت سے ملا۔

''کیا یہ اپنے اوپر پر کھولے ہوئے اور سمیٹتے ہوئے پرندوں کو نہیں دیکھتے

انھیں رحمان ہی (ہوا وفضا میں) تھامے ہوئے ہے۔"[الملك: ١٩]

اس آیت کو جب میں نے پہلی بار پڑھا تھا تو میرے ذہن میں یہ بات آئی تھی کہ اگر یہ آیت قرآن مجید میں نہ ہوتی تو بہتر تھا۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد میں نے غور کیا کہ یہی آیت میرے پہلے اعتراض کا جواب تھی۔

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت سے لے کر آج تک کے تمام انسان جانتے ہیں کہ پرندے اپنے پروں کی وجہ سے اڑتے ہیں، مگر یہ ظاہری اسباب ہیں جو انسان کو نظر آتے ہیں۔ حقیقت میں ہر کام کے پیچھے اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت کارفرما ہے۔

مثال کے طور پر اگر یہ سوال کیا جائے کہ موبائل کی باڈی کس نے بنائی؟ تو اس سوال کے تین جوابات ہیں اور تینوں ہی درست ہیں: اس سوال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ موبائل کی باڈی مشین نے بنائی مگر اس جواب میں جامعیت کم ہے، اس سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ موبائل کی یہ باڈی انسان نے بنائی۔ اس جواب میں پہلے جواب کی نسبت زیادہ جامعیت پائی جاتی ہے کیونکہ جس مشین نے یہ باڈی بنائی اس مشین کا خالق بھی انسان ہے پھر اس موبائل باڈی کو بھی مشین کے ذریعے انسان ہی نے بنایا۔ اکیلی مشین اس باڈی کو نہیں بنا سکتی۔ لیکن اس سوال کا ایک تیسرا جواب بھی ہے جس میں سب سے زیادہ جامعیت پائی جاتی ہے وہ یہ کہ موبائل کی باڈی کو اللہ تعالیٰ نے بنایا، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی نے انسان کو پیدا کیا اور اسے عقل دی پھر اسی عقل کے ذریعے انسان نے مشین اور پھر مشین کے ذریعے اس موبائل کی باڈی کو بنایا۔ اس کے علاوہ مشین اور باڈی کے میٹریل کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

اس لیے میرے اس سوال کا جواب: "ہمارے گھر دودھ کہاں سے آتا ہے؟" اور میری والدہ کا یہ جواب دینا کہ یہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیتا ہے اپنی جامعیت کی وجہ سے

یہی جواب درست تھا اور اس آیت میں ہوا میں پرندوں کے اڑنے کا ذکر اسی جامعیت کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ ظاہری اسباب سے پرندے اپنے پروں کی وجہ سے اڑتے ہیں یہ تو انسان تقریباً شروع ہی سے جانتا ہے۔

دوسرا اعتراض:

جو میرے ذہن میں ایک سوال کی شکل میں آیا تھا وہ یہ تھا کہ اگر ہر چیز کا کوئی نہ کوئی بنانے والا ہوتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کو کس نے بنایا؟ اس سوال کا ذکر بعض احادیثوں میں بھی آ تا ہے۔ اس سوال پر جب میں نے دوبارہ غور کیا تو میں نے محسوس کیا یہ سوال عقلی طور پر ہے ہی غلط کیونکہ یہ سوال کبھی نہ ختم ہونے والا سوال ہے۔

مثال کے طور پر اور بات کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے اگر یہ سوال موجودہ دور کی ترقی یافتہ سائنس سے کیا جائے تو سائنس کے جوابات ختم ہو جائیں گے مگر یہ سوال اپنی جگہ برقرار رہے گا۔

مثال کے طور پر ہم موجودہ دور کی ترقی یافتہ اور جدید سائنس سے انتہائی مختصر مکالمے کے ذریعے جانتے ہیں کہ اس کائنات کو بنانے والا کون ہے؟

سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ اس کائنات کو بنانے والا کوئی نہیں۔ یہ کائنات خود بخود ہونے والے ایک بگ بینگ نامی دھماکے کی وجہ سے وجود میں آئی۔

اگلا سوال سائنس سے یہ ہوتا ہے کہ وہ میٹریل جس میں دھماکہ ہوا وہ کہاں سے آیا؟ تو سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ وہ میٹریل پہلے ہی گیسوں کی شکل میں موجود تھا۔

اب اگلا سوال سائنس سے یہ ہوتا ہے کہ وہ گیسیں کیسے پیدا ہوئیں؟ کہاں سے آئیں یا ان کو پیدا کرنے والا کون ہے؟ ان سوالات پر آ کر سائنس خاموش ہو جاتی ہے اور جواب نہیں دے پاتی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سوال ہی غلط ہے۔

اس کا عقلی لحاظ سے صرف یہی جواب ہوسکتا ہے کہ اس کائنات اور اس کے اندر موجود ہر چیز کا کوئی نہ کوئی بنانے والا موجود ہے مگر کوئی ایک ایسی ہستی ضرور موجود ہے کہ جس کا بنانے والا کوئی نہیں وہ اول بھی ہے اور آخر بھی۔ کوئی بھی اس ہستی کا ادراک نہیں کر سکتا۔ انسان کے پاس ایسی ہستی کو ماننے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں ہے اور جب انسان کسی ایسی ہستی کو مان لے تو ایسے بہت سے سوالات کہ جن کے جوابات سائنس نہیں دے سکتی ان کے جوابات انسان کو مل جاتے ہیں۔ میرے بچپن کے اس اعتراض کا جواب مجھے قرآن مجید کی سورت اخلاص کی آیت نمبر 3 سے بھی وہی ملا جو کہ عقل تسلیم کرتی تھی:

''نہ اس سے کوئی پیدا ہوا، نہ وہ کسی سے پیدا ہوا''[الاخلاص: ۳]

یعنی اس اللہ تعالیٰ کو بنانے والا کوئی نہیں وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

تیسرا اعتراض:

دین اسلام کی جن چیزوں پر میں اعتراض کرتا تھا ان میں سے ایک چیز حدیث بھی تھی۔ اس وقت تو میں نے اپنی کم علمی کی وجہ سے حدیث پر ایک ہی اعتراض کیا تھا اور وہ یہ تھا کہ جب ایک بات پانچ، چھ لوگوں سے ہو کر گزرتی ہے تو اس میں فرق واقع ہو جانا ایک لازمی امر ہے، لیکن جب ہدایت پر آنے کے بعد میں نے حدیث کے بارے میں کچھ مطالعہ کیا تو مجھے پتا چلا کہ حدیث پر تو کافی اعتراضات کیے جاتے ہیں، لیکن یہ تمام اعتراضات رکھنے والے لوگوں کے پاس علم کی کمی ہے۔

حدیث کے متعلق اعتراضات دور کرنے میں قرآن مجید کے علاوہ دو کتابوں نے مجھے بڑا فائدہ دیا ایک تو مولانا مودودی رحمہ اللہ کی کتاب ''سنت کی آئینی حیثیت'' اور دوسری ڈاکٹر اقبال احمد کی کتاب ''جرح و تعدیل'' لیکن ان کتابوں کے مطالعہ سے

پہلے ہی میں نے حدیث کے متعلق اپنا یہ اعتراض چھوڑ دیا تھا اور دوسری بات یہ بھی تھی کہ دین اسلام کے تمام علمائے کرام اور تمام مسلک نہ صرف حدیث کو مانتے ہیں اور اس سے مسائل اخذ کرتے ہیں بلکہ وہ حدیث کو دین اسلام کا ایک اہم، معتبر اور لازمی جز سمجھتے ہیں۔ اگرچہ قرآن مجید کے مطالعہ سے میرا ایمان مضبوط ہوا تھا، مگر احادیث کے مطالعہ سے بہت زیادہ مضبوط ہو گیا تھا۔

چوتھا اعتراض:

دین سے دور رہنے میں اس چیز کا بھی کردار تھا کہ جب بھی میں کسی مذہبی شخص کو عقلی طور پر پرکھتا تو اکثر مذہبی لوگوں کو میں عقل سے خالی پاتا، لیکن ہدایت پر آنے کے بعد جب میں نے اس بات پر غور کیا تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہر قوم اور معاشرے میں عقل مند لوگوں کی تعداد تقریباً دس فیصد ہی ہوتی ہے۔ وہ لوگ مذہبی ہوں یا غیر مذہبی۔ یعنی مذہبی لوگوں میں بھی دس فیصد لوگ ہی عقل مند ہوتے ہیں اور غیر مذہبی لوگوں میں بھی دس فیصد لوگ ہی عقل مند ہوتے ہیں۔ کیونکہ مذہبی لوگوں کی تعداد کم ہوتی ہے اور اس لیے عام آدمی کو ان میں عقل مندی کی ایوریج زیادہ کم نظر آتی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ لوگوں کے پرکھنے کا معیار ہی غلط ہے۔ یعنی اگر کوئی مذہبی شخص جھوٹ بولے تو لوگوں کی نظروں میں یہ ایک کبیرہ گناہ اور بیوقوفی ہے اور اگر وہی جھوٹ کوئی غیر مذہبی شخص بولے تو معاشرے کے لوگ ایسے شخص کو عقل مند اور سیاست دان ہونے کا خطاب دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ زبان و کردار کے لحاظ سے ایک مذہبی شخص پر لوگوں کی زیادہ نظریں ہوتی ہیں بنسبت غیر مذہبی شخص کے۔ اس لیے اس کی ہر غلطی لوگوں کی معلومات میں آجاتی ہے۔ اب میں یہاں غیر مذہبی لوگوں کی ایک دو بیوقوفانہ مثالیں پیش کروں گا۔

اجتماعی طور پر غیر مذہبی لوگوں کا ایک گروہ نہ خدا کو مانتے ہیں نہ آخرت کو پھر بھی نیک کاموں پر اپنی دولت خرچ کرتے ہیں اور مالی طور پر اپنے آپ کو اپنی اولاد کو اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی بڑی تعداد اس وقت ترقی یافتہ ممالک میں موجود ہے۔ جب کہ دوسری طرف غیر مذہبی لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد خدا، آخرت اور رسالت پر یقین رکھتی ہے مگر نہ تو اپنا مال نیک کاموں پر خرچ کرتے ہیں اور نہ ہی گناہوں سے بچتے ہیں۔ یہ دونوں اقسام کے غیر مذہبی لوگ اپنے عقائد و اعمال میں متضاد ہونے کے باوجود اجتماعی طور پر بیوقوفی کی ایک بڑی مثال بھی پیش کر رہے ہیں۔

غیر مذہبی لوگوں میں انفرادی طور پر بیوقوفی کی مثال دینے کے لیے میں نے چند چیزوں کو سامنے رکھا ہے۔ اس میں سب سے پہلے میں نے اس چیز پر غور کیا کہ اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ علم و عقل رکھنے والا پیشہ کون سا ہے؟ ''میڈیا'' میڈیا میں وہ کون لوگ ہیں جو سب سے زیادہ عقل مند اور علم والے تصور کیے جاتے ہیں؟

تو اس کا جواب ہے: ''سینئر اینکر پرسن اور سینئر کالم نگار'' اس کے بعد میں نے اس بات کا بھی لحاظ کھا کہ جس کالم نگار کی میں مثال پیش کروں وہ راشی نہ ہو، کیونکہ اگر میں نے کسی راشی کالم نگار کی مثال دی تو لوگ یہ کہہ کر اس مثال کو مسترد کر دیں گے کہ وہ کالم نگار تو رشوت لے کر کچھ بھی الٹا سیدھا لکھ دیتا ہے اس کا کیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک شرط میری عقل نے مجھ پر یہ بھی عائد کی کہ جس شخص کی میں مثال پیش کروں وہ سینئر اینکر پرسن بھی ہو اور سینئر کالم نگار بھی اور بیوقوفی کی مثال اس کے کسی پروگرام یا گفتگو سے نہیں دی جائے گی، کیونکہ دوران گفتگو تو کسی سے بھی غلط بات سرزد ہو سکتی ہے۔ اس لیے مثال کالم سے دینی ہے جو کہ مخصوص انداز سے تیار کرنے کے بعد لکھا جاتا ہے۔ کالم میں لکھی جانے والی باتیں کالم نگار کی عقل کی ترجمان ہوتیں ہیں۔

یہ تمام باتیں میں نے جس سینئر اینکر پرسن میں پائیں اس کا نام ہے: ''جاوید چوہدری'' اور جس کالم کی میں یہاں مثال دینے لگا ہوں اس کالم کا نام تھا: ''Rich day and poor day'' یہ کالم مجھے میرے ایک دوست نے پڑھنے کے لیے دیا تھا اور مجھے یہ کہا تھا کہ یہ کالم جاوید چوہدری صاحب نے بہت اچھا لکھا ہے۔ میں نے بھی اسی وقت اس کالم کی ایک دو لائن پڑھی تو مجھے بھی وہ کالم بہت اچھا لگا۔ میں نے یہ سوچتے ہوئے کہ یہ کالم تو واقعی بہت اچھا ہے اسے تہہ کر کے اپنی جیب میں ڈال لیا اور فارغ وقت میں تسلی سے بیٹھ کر پڑھنے کا سوچا۔

اگلے دن جب میں نے اس کالم کو غور سے پڑھا تو میں یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ جاوید چوہدری کا وہ کالم انتہائی بے کار قسم کا تھا۔ اس کالم میں ایک ایسے آدمی کا ذکر تھا جس نے ایک مخصوص حکومت میں ٹھیکے وغیرہ لیے اور بڑی دولت اور پراپرٹی بنائی، اس کے بعد وہ مر گیا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کی اولاد دولت اور پراپرٹی کی تقسیم پر آپس میں لڑنے لگی۔ ایک دوسرے پر عدالت میں کیس کیے جو کہ مدتوں تک چلتے رہے۔ وہ تمام بہن بھائی لمبے عرصے سے ایک دوسرے کے ساتھ نہیں بولتے۔

اس طرح کا ایک گھریلو واقعہ درج کرنے کے بعد جاوید چوہدری لکھتا ہے کہ امیر والدین کی نسبت غریب والدین اپنی اولاد کے لیے زیادہ فائدے مند ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ کوئی پراپرٹی وغیرہ چھوڑ کر نہیں مرتے اور پراپرٹی کی تقسیم کی وجہ سے ان کی اولاد میں کوئی جھگڑے وغیرہ نہیں ہوتے اور وہ آپس میں پیار، محبت اور سلوک کے ساتھ رہتے ہیں۔ اس طرح کی باتوں پر جا کر جاوید چوہدری صاحب نے اپنا کالم ختم کر دیا۔

کالم پڑھنے کے بعد میں حیران رہ گیا کہ جاوید چوہدری نے اس واقعہ سے یہ

کیسی بات اخذ کی ہے۔ حالانکہ بے شمار امیر لوگوں کی اولاد ایسی بھی ہے جو کہ آپس میں بالکل نہیں لڑتی اور آپسی تعلقات کو بہتر رکھتی ہے اور بے شمار غریبوں کی اولاد ایسی بھی ہے جو کہ آپس میں بہت زیادہ لڑائی جھگڑے کرتی ہے۔ اگر آج ہم سول یا سیشن کورٹ یعنی چھوٹی عدالتوں سے لڑائی جھگڑوں کے کیسوں کی معلومات لیں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ غریب اور دیہاتی لوگوں کے کیس زیادہ ہیں، حالانکہ ان لوگوں کے 50 فیصد کیس پنچایت کے ذریعے گاؤں میں ہی حل ہو جاتے ہیں۔ اس وجہ سے مجھے جاوید چوہدری کی یہ بات بالکل ہضم نہ ہو رہی تھی کہ امیر والدین کی نسبت غریب والدین اپنی اولاد کے لیے زیادہ فائدے مند ثابت ہوتے ہیں۔

یہ کالم پڑھنے کے بعد میں نے سوچا کہ اگر کوئی مذہبی شخص اس کالم کو لکھتا تو وہ اس سے دوسری قسم کی باتیں اخذ کرتا، مثلاً اولاد کی تربیت دولت سے زیادہ ضروری ہے یا ہمیں آپس میں لالچ چھوڑ کر صبر اور برداشت کو اختیار کرنا چاہیے یا یہ کہ انصاف پسندی کی زندگی خوشحال زندگی کی ضامن ہے وغیرہ۔ اس وقت میں نے جانا کہ عقل مندی کا میڈل صرف اور صرف دس فیصد مذہبی لوگوں کے حصے میں ہی آتا ہے جو کہ علم وعمل اور تقویٰ رکھنے والے ہیں۔

بیوقوفی کی یہ مثال میں نے غیر مذہبی لوگوں میں سے سب سے زیادہ علم وعقل رکھنے والے پیشے سے دی ہے اور وہ بھی ایسے شخص کی جو سینئر کالم نگار بھی ہے اور سینئر اینکر پرسن بھی، سچ بولنے والا ہے اور راشی بھی نہیں۔ اب اس مثال سے عام غیر مذہبی لوگوں کی عقل کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں۔

پانچواں اعتراض:

حالت گمراہی میں ایک اعتراض قرآن کے ذریعے دین اسلام پر میں نے

شیطان والے واقعہ کا کیا تھا۔ حالت ہدایت پر آنے کے بعد میرے ذہن نے اس اعتراض کے جو مجھے عقلی دلائل دیئے وہ درج ذیل تھے۔

ایک رائے تو میرے ذہن نے مجھے یہ دی کہ اللہ تعالیٰ ایسے ہی ماحول میں انسان کو رکھنا چاہتا تھا جس میں شیطان موجود ہو، جو کہ انسان کو مختلف قسم کے شکوک و شبہات میں مبتلا کرے، گناہوں کی طرف رغبت دلائے اور انسان کو نیکی سے باز رکھنے کی کوشش کرے۔

اب جو بھی شخص شیطان سے مقابلہ کرتے ہوئے ایک قدم اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھائے گا تو ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت فرمائے گا اور اس شخص کی طرف خود دس قدم بڑھائے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی پیدائش ہی اس کے شیطان بننے اور انسان کو دھوکا دینے کے لیے ہی کر رکھی تھی، اسی لیے تو اسے لمبی مہلت اور کچھ خاص قسم کے اختیارات بھی دیئے گئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ انسان ہو یا کوئی جن یا کوئی فرشتہ جو کوئی بھی نیک عمل کرتا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اسی رحمت کی وجہ سے ابلیس نے نیک کام بھی کیے اور اسی رحمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک خاص مقام بھی پایا۔

پھر اسی رحمت کے نہ ہونے کی وجہ سے ابلیس سے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے والا گناہ سرزد ہو گیا، یعنی جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو حکم دیا ہو گا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے تھوڑی دیر کے لیے اپنی رحمت الگ کرنے کے بعد اسے اس کی اپنی نیت، کوشش اور نفس کے حوالے کر دیا ہو گا۔ جس میں وہ ناکام رہا۔

اس کے علاوہ ابلیس کا سجدہ نہ کرنے اور غرور و تکبر میں آنے کا معاملہ عقلی طور

پر اس طرح بھی سمجھ میں آتا ہے کہ مثال کے طور پر کسی امیر شخص نے اپنے کسی غریب دوست کو تحفے کے طور پر دس لاکھ روپے دیئے اور کہا کہ ان پیسوں سے کوئی کاروبار کر لو، میں تم سے یہ روپے واپس نہ لوں گا۔ اس غریب شخص نے ان پیسوں سے اپنا کاروبار کیا اور بہت جلد چالیس، پچاس لاکھ کا مالک بن گیا اور اس کا لالچ بھی بڑھ گیا۔ اسی عرصے میں اس کے اس امیر دوست کے حالات بدل گئے اور وہ غریب ہو گیا تو اس نے سوچا کہ میں اپنے دوست سے اپنے ان پیسوں کا مطالبہ کرتا ہوں کہ شاید وہ مجھے پیسے واپس کر دے۔ اب اگر وہ شخص اپنے اس دوست سے اپنے پیسوں کی واپسی کا مطالبہ کرے گا تو رقم کے موجود ہونے کے باوجود اس کے لیے وہ دس لاکھ روپے واپس کرنا بہت مشکل ہو جائے گا کیونکہ اب وہ اس رقم کو اپنی ملکیت سمجھ چکا تھا۔ ہاں اگر اس نے ادھار کے طور پر لیے ہوئے ہوتے تو اس کے لیے وہ رقم واپس کرنا آسان ہوتا۔

یہی سوچ ابلیس کے اندر بھی آ چکی ہو گی، اس نے اپنی عزت و توقیر کو دائمی سمجھ لیا ہو گا لیکن جب اسے اچانک حکم ہوا کہ آدم کو سجدہ کرو تو اسے اپنی عزت و توقیر ختم ہوتی نظر آئی اور اسی سوچ نے اس کے لیے وہ سجدہ کرنا بہت مشکل کر دیا اور اس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس پر لعنت کر دی اور اس لعنت کی وجہ سے وہ توبہ کی طرف بھی نہ پلٹ سکا۔

چھٹا اعتراض:

گمراہی کی حالت میں دین اسلام کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے ایک عقلی دلیل جو میں نے اپنے دوست کو دی تھی وہ یہ تھی کہ میں قرآن کو پڑھوں گا اور اس میں سے کوئی ایسی دو آیات تلاش کروں گا جو کہ آپس میں متضاد ہوں گی، ہدایت پر آنے کے

بعد جب میں نے پورے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا تو مجھے سورۃ النساء کی آیت نمبر 82 پڑھ کر بہت خوشی ہوئی کیونکہ اس آیت میں میری اسی عقلی دلیل کو بیان کیا گیا تھا جو کہ میرے ذہن میں موجود تھی۔

ترجمہ: ''کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے۔''

اس آیت کا ترجمہ پڑھنے کے بعد میں یہ سمجھ گیا کہ اگرچہ قرآن مجید ایک ضخیم کتاب ہے مگر اس میں دو متضاد آیات نہیں ملیں گی لیکن اس معاملے میں میں نے تین الگ الگ اوقات میں تین الگ الگ آراء کو اختیار کیا۔ پہلی رائے میں نے اس آیت کو پڑھنے کے بعد یہ اختیار کی کہ اس کتاب میں متضاد آیات نہیں ملیں گی۔ دوسری رائے میں نے پورے قرآن کا ترجمہ پڑھنے کے بعد یہ اختیار کی کہ بعض آیات میں کچھ تضاد نظر آتا ہے لیکن یہ رائے کم علمی کی وجہ سے تھی۔

اس کے بعد جب میں نے ڈاکٹر اسرار احمد کی پورے قرآن مجید کی مکمل تفسیر سنی تو میں جان گیا کہ اس کتاب میں کوئی تضاد نہیں ہے، یہی رائے علم پر مبنی تھی اور میری یہی رائے درست تھی۔

ساتواں اعتراض:

حالتِ گمراہی کے چیونٹیوں والے واقعہ سے جو کہ میں پیچھے درج کر آیا ہوں اس سے میں نے یہ عقلی دلیل اخذ کی تھی کہ آخرت میں انسان کو اس کے برے اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کوئی سزا نہ دے گا لیکن حالتِ ہدایت پر آنے کے بعد جب میں نے اس واقعہ پر دوبارہ غور کیا تو میرے ایک ذہن نے دوسرے ذہن سے سوال کیا کہ اس مالک مکان نے ان چیونٹیوں کو سزا کیوں نہ دی جب انھوں نے اس کے بچے

کو نقصان پہنچایا۔ حالانکہ وہ چیونٹیاں اسی کی جگہ میں رہتی اور اسی کا گرا پڑا رزق کھاتی تھیں جبکہ مالک مکان انھیں سزا دینے پر بھی قادر تھا تو میرے دوسرے ذہن نے اس سوال کا یہ جواب دیا کہ ان چیونٹیوں میں یہ شعور ہی نہیں ہے کہ اس مکان کا مالک کون ہے جس میں ہم رہتی ہیں اور نہ انھیں یہ شعور ہے کہ یہ جاندار چیز جسے ہم اپنی خوراک سمجھ رہی ہیں یہ کسی انسان کا بچہ ہے اور اگر ان چیونٹیوں میں ان باتوں کا شعور ہوتا تو وہ مالک مکان ان چیونٹیوں کو ضرور سزا دیتا جب کہ انسان میں نیکی اور برائی کا شعور موجود ہے اور یہی شعور انسان کو آخرت میں اس کے گناہ کرنے کی وجہ سے سزا کا مستحق بنا رہا ہے۔

آٹھواں اعتراض:

دین سے دور رکھنے والی وجوہات میں سے ایک چیز نیکی اور بدی کے متعلق میری ذاتی سوچ تھی۔ حالتِ گمراہی میں میں نے نیکی و بدی کے متعلق مختلف اقسام کی غلط اور خود ساختہ تعریفیں گھڑ رکھی تھیں لیکن حالتِ ہدایت پر آنے کے بعد جب میں نے اس بات پر دوبارہ غور کیا تو میں سمجھ گیا کہ پیغمبر کے علاوہ کوئی بھی شخص نیکی اور بدی کی تعریف کرنے کا اہل ہی نہیں ہوتا اور پیغمبر کو بھی یہ اختیار اللہ تعالیٰ نے دیا ہوتا ہے اور پیغمبر اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتا، وہ وہی کہتا ہے جس بات کی وحی اللہ تعالیٰ کرتا ہے، نیکی اور بدی کی اگر عام لوگ تعریف کرنے لگیں تو کوئی شخص اپنے ملک و معاشرے اور وقت کے لحاظ سے کچھ تعریف کر دے گا اور کوئی کچھ۔ بلکہ یہ بھی ہوسکتا کہ کوئی شخص بیس سال کی عمر میں نیکی اور بدی کی جو تعریف کرے وہی شخص چالیس سال کی عمر میں اپنی پچھلی تعریف کی مخالفت کرے جس طرح کہ آج میں کر رہا ہوں۔ اس کے علاوہ وہ تمام پیغمبروں کی تعلیمات سے نیکی و بدی کی جو تعریف ملتی ہے اس

تعریف کو تقریباً پوری دنیا ہمیشہ سے مانتی چلی آ رہی ہے، پھر ہمیں کیا ضرورت ہے کہ اگر کسی سوال کا کوئی بہتر جواب موجود ہو تو ہم اسی سوال کا کوئی غلط جواب تلاش کرنے میں اپنا وقت ضائع کریں۔

حدیث والے اعتراض کے علاوہ اوپر بیان کی گئی تقریباً تمام وجوہات ایسی تھیں جو کہ تمام ادیان میں مشترک تھیں۔ ان وجوہات کی بنا پر تو میں تمام ادیان ہی کے مخالف رہا۔ مگر جب ان وجوہات کے جوابات مجھے مل گئے تو میں نے دینی زندگی کو ترجیح دینا شروع کر دیا اور میں یہ بھی سمجھ گیا کہ کوئی نہ کوئی دین حق جو کہ آخرت میں کامیابی کا ضامن ہو اس دنیا میں ضرور موجود ہو گا۔ اب ایک طرف تو میرے اندر دینی زندگی گزارنے کی خواہش پیدا ہو رہی تھی مگر اسی وقت دوسری طرف میں اپنے آبائی دین یعنی دین اسلام سے کچھ عرصے تک دور ہی رہا۔ میری دین اسلام سے دور رہنے کی بارہ بڑی وجوہات تھیں، ان بارہ وجوہات میں سے کوئی نہ کوئی وجہ کسی بھی شخص میں ہو سکتی ہے، اس لیے تبلیغ کے طور پر ان تمام وجوہات کا مختصر طور پر ذکر کر رہا ہوں۔

دین اسلام سے دور رہنے کی بارہ بڑی وجوہات

① حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اتفاق:

ان وجوہات میں سے ایک وجہ تو یہ تھی کہ جب میں دنیا کے تمام مذاہب پر سرسری نظر ڈالتا تو مجھے دو مذاہب سب سے اوپر اور بہتر نظر آتے۔ ان میں سے ایک تو عیسائی مذہب تھا اور دوسرا میرا اپنا آبائی دین یعنی اسلام تھا۔

پھر جب میں ان دونوں مذاہب پر کچھ غور و تدبر کرتا تو میں عیسائیت کو ترجیح دیتا اور اس کی وجہ یہ ہوتی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو تمام عیسائی اور تمام مسلمان معزز

جانتے تھے یعنی ان پر سب کا اتفاق تھا مگر حضرت محمد ﷺ کو تمام مسلمان تو معزز جانتے مگر عیسائی انھیں بالکل نہ مانتے تھے۔ اس وجہ سے میں نے لوگوں کی سب سے زیادہ تعداد کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عزت کرنے والا پایا۔ پھر اسی بنیاد پر میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بتائے ہوئے راستے یعنی مذہب کو ترجیح دی۔ لیکن پھر جب میں نے قرآن مجید کا مطالعہ کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ تمام پیغمبروں کو مانیں اور تمام الہامی کتابوں پر ایمان رکھیں۔

اس طرح یہ دین اسلام کی ایک خوبی بن جاتی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ آج کے تقریباً تمام عیسائی ممالک اپنا دین چھوڑ چکے ہیں جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یا تو یہ مذہب اپنی تعلیمات کے جامع نہ ہونے کی وجہ سے ترقی یافتہ دور کا مقابلہ نہ کر سکا اور ختم ہونا شروع ہو گیا یا پھر اس میں ملاوٹ واقع ہو چکی ہے۔ اس وجوہات کی وجہ سے عیسائی مذہب کمزور ثابت ہوتا ہے دین اسلام سے ان عقلی دلائل نے مجھے واپس دین اسلام کی طرف پلٹنے کی رغبت دلائی۔

② تقدیر کا مسئلہ:

مجھے دین اسلام سے دور رکھنے میں سب سے زیادہ کردار تقدیر کے مسئلے ہی کا ہے۔ تقدیر کے متعلق میں یہ سمجھتا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میری تقدیر میں نماز پڑھنا یا دین اسلام پر عمل کرنا لکھا ہوگا تو میں یہ کام کروں گا اور اگر اللہ تعالیٰ نے میری تقدیر میں نیک عمل کرنا نہ لکھا ہوگا تو کوئی بھی نیک عمل کر ہی نہیں سکتا۔ یہ خرابی میرے اندر کم علمی کی وجہ سے تھی اور دوسری بات یہ تھی کہ جب بھی میں اپنے مفتی دوست سے تقدیر کے مسئلے پر گفتگو کرتا تو وہ مجھے مطمئن نہ کر پاتے، اس سے میرے اندر خود کو حق اور دین اسلام کو صحیح دین نہ سمجھنے کی خرابی پیدا ہو جاتی۔

اس سوال کا تسلی بخش جواب مجھے ڈاکٹر ذاکر نائیک سے ملا جب انھیں ایک اجتماع کے دوران کسی شخص نے تقدیر کے متعلق سوال کیا۔ وہ جواب یہ تھا جو ڈاکٹر ذاکر نائیک نے دیا کہ تقدیر نام ہے اللہ تعالیٰ کے اندازے کا کہ فلاں شخص فلاں وقت پر فلاں کام کرے گا۔

پھر انھوں نے مثال دی کہ فرض کرو کہ کوئی شخص کسی راستے پر سے گزر رہا ہے آگے چوراہا آ گیا اب وہ شخص اپنی مرضی سے کسی بھی راستے کا انتخاب کر سکتا ہے۔ فرض کرو کہ اس شخص نے راستہ: 3 کا انتخاب کیا تو اس انتخاب کا اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی پتا تھا کہ یہ شخص فلاں وقت پر فلاں چار راستوں میں سے راستہ: 3 کو چنے گا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اس کی تقدیر میں لکھ دیا تھا کہ یہ راستہ: 3 کو چنے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا تھا اس لیے اس نے یہ راستہ چنا تھا، بات اس طرح نہیں بلکہ اس طرح ہے کہ اس شخص نے وہ راستہ چننا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی تقدیر میں لکھا۔

اس کے بعد ڈاکٹر ذاکر نائیک نے مزید دو تین مثالیں دی تا کہ اس مسئلے کو اچھی طرح سمجھا سکے۔

ان مثالوں میں سے ایک مثال یہ بھی تھی کہ فرض کرو کہ امتحانات سے پہلے کوئی استاد اپنے تین شاگردوں کے متعلق یہ کہتا ہے کہ فلاں شاگرد کلاس میں فرسٹ آئے گا اور میرا فلاں شاگرد اچھے نمبر لے کر پاس ہو گا اور فلاں شاگرد فیل ہو جائے گا۔ اب امتحانات میں جس شاگرد کو استاد نے فیل ہونے کا کہا تھا وہ فیل ہو جاتا ہے تو اس میں طالب علم کی خود کی غلطی تھی جو اس نے پورا سال محنت نہ کی۔ استاد نے تو ان شاگردوں کی محنت کو سامنے رکھتے ہوئے اپنا اندازہ ظاہر کیا تھا جو کہ درست نکلا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کو غیب کا علم ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ فلاں شخص

فلاں کام کرے گا اللہ تعالیٰ وہ لکھ دیتا ہے، البتہ استاد اور اللہ تعالیٰ کے اندازوں میں یہ فرق واضح ہے کہ استاد کا اندازہ غلط ہوسکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کا اندازہ غلط نہیں ہوسکتا۔

دوسری بات ایک حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ''دعا تقدیر کو بدل دیتی ہے'' اس بات کو ڈاکٹر ذاکر نائیک نے اس طرح سمجھایا کہ فرض کرو کہ کوئی لڑکا امتحانات سے فارغ ہوتا ہے اور وہ سمجھ جاتا ہے کہ وہ امتحان میں فیل ہو جائے گا۔ وہ گھر پہنچ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے اور اسے پاس کر دیتا ہے، اس طرح دعا نے تقدیر کو بدل دیا۔ لیکن وہ دعا بھی اللہ تعالیٰ نے اس کی تقدیر میں لکھی ہوئی تھی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو علمِ غیب ہونے کی وجہ سے اس بات کا پتا تھا کہ یہ لڑکا فلاں امتحان اچھے طریقے سے نہ دے سکے گا اور خود کو فیل سمجھتے ہوئے مجھ سے پاس ہونے کی دعا کرے گا اور میں اس کی دعا کو قبول کر کے اسے پاس کر دوں گا۔

اس کے علاوہ سورت [الحدید: ۲۲،۲۳] کا ترجمہ پڑھنے کے بعد میں عقیدہ تقدیر کے کچھ مزید حقائق کو بھی سمجھ گیا۔

> ترجمہ: ''نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے نہ تمھاری جانوں میں مگر اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں، وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے، یہ (کام) اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔ تاکہ تم اپنے سے فوت شدہ کسی چیز پر رنجیدہ نہ ہو جایا کرو اور نہ عطا کردہ چیز پر اترا جاؤ اور اترانے والے شیخی خوروں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔'' [الحدید: ۲۲،۲۳]

یعنی کسی چیز کے کھو جانے پر انسان پریشان نہ ہو بلکہ صبر کرنے اور نہ کسی چیز کے ملنے پر اترائے بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

نوٹ: تقدیر کے متعلق بعض احادیث سے یہ مفہوم بھی پیدا ہوتا ہے کہ تمام کام

اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے کرتا ہے انسان کے اختیار میں کچھ نہیں۔ اس معاملے میں میں نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ تقدیر دو قسم کی ہے ایک انفرادی تقدیر اور دوسری اجتماعی تقدیر۔

اوپر والی میری مکمل تحریر انفرادی تقدیر کے متعلق تھی اور دوسری اجتماعی تقدیر، یعنی کسی ملک، قوم، گروہ وغیرہ کے اجتماعی طور پر عروج و زوال یہ تقدیر اللہ تعالیٰ کی قضا کے مطابق ہی ہوتی ہے یا پھر انفرادی سطح کے وہ معاملات کہ جن کو انسان جانتا ہے کہ وہ اس کی مرضی و اختیار میں نہیں جیسے کہ وہ کس گھر اور کس ماحول میں پیدا ہوگا یا پھر موت اور بیماری وغیرہ۔ والله أعلم

③ شکوک وشبہات:

حالت گمراہی میں دین اسلام سے دور رہنے کی میری ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میں دین اسلام کی سب سے اہم چیز یعنی قرآن و حدیث پر مختلف اقسام کے شکوک و شبہات رکھتا تھا۔ ان میں سے ایک شک میں یہ رکھتا تھا کہ ان میں کچھ نہ کچھ کمی و زیادتی یا رد و بدل ہو چکی ہوگی، لیکن جب میں نے قرآن و حدیث کی جمع و تدوین کے متعلق کچھ علم حاصل کیا تو میرا یہ شک رفع ہو گیا پھر جیسے جیسے میرے علم میں اضافہ ہوتا رہا ویسے ویسے میرا ایمان مضبوط ہوتا گیا۔ اس موضوع کے متعلق میں بعض باتیں درج کر چکا ہوں۔

④ جہاد وجزیہ:

حالت گمراہی میں دین اسلام کے بارے میں ایک شبہہ میں یہ بھی رکھتا تھا کہ یہ واحد دین ہے جو کہ لوگوں کو جنگ پر اکساتا ہے اور قتال کا حکم دیتا ہے لیکن جب میں نے اس کے بارے میں کچھ علم حاصل کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ تمام بڑے مذاہب میں جہاد و قتال کا حکم موجود ہے مزید یہ کہ آج کی انتہائی عقل مند تصور کی جانے والی

دنیا جو کہ اپنے قول سے جہاد کی سخت مخالفت کرتی ہے مگر عمل سے نہیں۔

اس دنیا کے تمام ممالک نے جہاد وقتال کے لیے اپنی اپنی فوج بنا رکھی ہے اور آج کی دنیا میں تیل کے بعد سب سے زیادہ پیسہ فوجی اسلحہ پر ہی خرچ ہو رہا ہے اور اس فوجی اسلحہ کو بڑے پیمانے پر فروخت کرنے والے ممالک ہی جہاد کی مخالفت کرتے ہیں، مگر یہ ممالک صرف اور صرف اس جہاد کے خلاف ہیں جو دین اسلام کے نام پر لڑا جائے اور اس جہاد میں ان کا کوئی ذاتی مفاد بھی نہ ہو۔ جس طرح کہ روس کے خلاف طالبان کے لڑنے میں امریکہ کو اپنا مفاد نظر آتا تھا اس لیے اس جہاد پر کسی کو کوئی اعتراض نہ تھا۔

البتہ اس وقت جہاد کو دہشت گردی قرار دیا جا رہا ہے اور اس کی دو بڑی وجوہات ہیں: ایک تو یہ کہ مسلمانوں کے بعض چھوٹے گروہوں نے اپنے بعض مفادات کے لیے لڑی جانے والی لڑائیوں کو جہاد فی سبیل اللہ کا نام دیا، حالانکہ جہاد کے لیے یہ ضروری شرط ہے کہ وہ کسی منتخب حکومت کے ماتحت ہو کر ہی لڑا جائے۔ اگر اس شرط پر عمل ہوتا تو جہاد کبھی بدنام نہ ہوتا اور دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ اس دور کی سب سے بڑی طاقت میڈیا ہے اور میڈیا ان ممالک کے زیرِ اثر ہے جو کہ اسلام اور اس کے نظام کے خلاف ہیں۔ ان ممالک نے جو بھی کام میڈیا کے ذریعے کروانا ہو اس کام کے مثبت پہلوؤں کو نظر انداز کر کے صرف منفی پہلو میڈیا کو دیتے ہیں اور میڈیا اسے صبح و شام مسلسل نشر کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ عام شخص کی سوچ اور زبان وہی ہو جاتی ہے جو کہ میڈیا چاہتا ہے۔

مزید یہ کہ اس معاملے میں میڈیا نے عام شخص کی یہ سوچ بنا دی کہ سب سے زیادہ انسان مذہب کے نام پر لڑی جانے والی جنگوں میں ہی قتل ہوئے ہیں، حالانکہ

یہ بات غلط ہے مذاہب کے نام پر آج تک جتنے بھی انسان قتل ہوئے ہیں اس سے کہیں زیادہ انسان صرف دو جنگوں جنگِ عظیم اول اور جنگِ عظیم دوم میں قتل ہو چکے ہیں اور ان دونوں جنگوں میں کسی مذہب کا کوئی تعلق نہیں، بلکہ مذاہب جن چیزوں کی مخالفت کرتے ہیں وہی چیزیں وجہ بنی ہیں ان جنگوں کی مثلاً غرور، تکبر، ضد، لالچ اور ظلم وغیرہ۔ اور یہ جنگیں اس وقت تک ختم نہیں ہوسکتیں جب تک لالچ کو ختم کر کے عدل قائم نہیں کیا جاتا۔ یہ معلومات حاصل ہونے کے بعد میں اسلامی جہاد کی مخالفت میں کچھ نرم تو پڑ گیا تھا مگر میرا ذہن اس کی مخالفت سے مکمل طور پر علیحدہ نہیں ہوا تھا۔ اس کی دو وجوہات تھیں ایک تو میں یہ سمجھتا تھا کہ دین اسلام کا مقصد جہاد غیر مسلموں کو زبردستی مسلمان کرنا اور دوسرا ان سے جزیہ لے کر اسلامی بیت المال کو تقویت دینا ہے، مگر جب میں نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی:

''دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت ضلالت سے روشن ہو چکی۔'' [البقرة: ٢٥٦]

اس آیت کے پڑھنے کے بعد میں سمجھ گیا کہ جہاد کا مقصد غیر مسلموں کو زبردستی مسلمان کرنا نہ تھا بلکہ اس آیت کے لحاظ سے یہ ایک گناہ بن جاتا ہے۔ اس طرح جہاد کے متعلق میری پہلی وجہ اعتراض ختم ہوگئی۔

اس کے بعد میں نے جزیے کے متعلق کچھ علم حاصل کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ لفظ بنا ہے جزاء سے اور جزا کے معنی ہیں ''بھلائی کا بدلہ'' جزیہ لیا جاتا تھا ذمیوں سے اور ذمی کا معنی ہے: ''جس کی حفاظت کا ذمہ لیا گیا ہو'' یعنی جزیہ وہ ٹیکس تھا جو کہ اسلامی ریاست ریاستی معاملات کو چلانے کے لیے ان غیر مسلموں سے لیتی تھی جن کی حفاظت کی ذمہ داری اسلامی ریاست نے لے رکھی ہوتی تھی اور یہ ان کے مال و جان

وغیرہ کی حفاظت کا بدلہ ہوتا تھا۔ جزیہ صرف ان نوجوانوں سے لیا جاتا تھا جو جنگ لڑنے کے قابل ہوتے تھے۔ عورتوں، بچوں، بوڑھوں، اپاہجوں اور بیماروں سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا بلکہ وہ لوگ جو بوڑھے یا اپاہج ہونے کی وجہ سے کام کرنے کے قابل نہ رہتے وہ مسلم ہوتے یا غیر مسلم اسلامی حکومت انھیں الاؤنس دینے کی بھی پابند ہوتی تھی۔ اس طرح وہ جزیہ الاؤنس کی شکل میں واپس پلٹ جاتا تھا۔

اسلامی ریاست غیر مسلموں سے جزیے کی شکل میں صرف ایک قسم کا ٹیکس لیتی تھی اور وہ بھی صرف نوجوانوں سے لیتی تھی، جب کہ اس کے برعکس مسلمانوں کو دینی اور ریاستی معاملات چلانے کے لیے تین قسم کے ٹیکس ادا کرنا پڑتے ہیں:

① زکات جو کہ ہر سال مال کے حساب سے دینی پڑتی ہے۔

② عشر جو کہ ہر فصل پر فصل کے حساب سے دینا پڑتا ہے۔

③ فطرانہ جو کہ ہر مسلمان کو ہر عیدالفطر پر گھر کے افراد کے حساب سے تمام افراد کا ادا کرنا پڑتا ہے۔

اس طرح مسلمانوں کو زیادہ مال خرچ کرنا پڑتا ہے بنسبت غیر مسلموں کے۔ جب کہ غیر مسلم اسلامی ریاست میں کم مال خرچ کر کے زیادہ مال خرچ کرنے والے مسلمانوں کے برابر حقوق لیتے ہیں۔ اسلامی ریاست میں صرف ایک حق ہے جو کہ غیر مسلموں کو نہیں ملتا اور وہ یہ ہے کہ وہ قانون ساز اسمبلی میں نہیں بیٹھ سکتے اور یہ بھی اس وجہ سے ہے کہ اسلامی ریاست میں قوانین قرآن و حدیث سے اخذ کر کے بنائے جاتے ہیں اور غیر مسلم قرآن و حدیث کو مانتے نہیں۔ اس کے علاوہ غیر مسلموں کو مکمل آزادی ہوتی ہے کہ وہ اپنے تمام ذاتی و عائلی قوانین بنائیں، اپنی علیحدہ اسمبلیاں بنائیں، اپنا علیحدہ نظام تعلیم رکھیں اور اپنے رسم و رواج اور دین پر آزادانہ عمل کریں، وغیرہ۔

جزیے کے متعلق ایک اور بات جس کی طرف میں قارئین کی توجہ کروانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آج کے دور میں ہر شخص حکومت کو جزیہ دے رہا ہے فرق صرف یہ ہے کہ اس جزیے کو حکومت کسی خاص ٹیکس کے نام پر لے رہی ہے۔ اس طرح یہ معلومات حاصل ہونے کے بعد جزیے و جہاد کے متعلق میرے تمام اعتراضات ختم ہو گئے۔

نوٹ: زکات، عشر اور فطرانہ کا ادا کرنا مسلمانوں پر واجب ہے، لیکن میں نے ان کے لیے ٹیکس کا لفظ بات کو اچھی طرح سمجھانے کے لیے کیا ہے۔

⑤ غلام و لونڈی:

دین اسلام سے دور رہنے کی میری ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کے غلام و لونڈی والے نظام کو میں بہت بُرا خیال کرتا تھا۔ خاص طور پر مالک کا اپنی لونڈیوں کے ساتھ جنسی تعلقات رکھنا پھر مالک کے مرنے کے بعد ان ہی لونڈیوں کا وراثت کی شکل میں اولاد کو منتقل ہو جانا۔

حالت ہدایت پر آنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ اس نظام کے متعلق پہلے کچھ علم حاصل کیا جائے، کیونکہ میرے پاس سنی سنائی چند باتیں تھیں، اس کے لیے میں نے مولانا ابو الاعلیٰ مودودی ؒ کی کتاب ''الجہاد فی الاسلام'' کا کچھ مطالعہ کیا اور وہاں سے مجھے غلام و لونڈی اور اس نظام کے متعلق درج ذیل معلومات حاصل ہوئیں، جنھیں میں مختصر طور پر پیش کر رہا ہوں:

① دین اسلام میں غلام و لونڈی صرف انھیں لوگوں کو بنایا جائے گا جو کہ میدانِ جنگ سے گرفتار کیے جائیں گے اور وہ بھی تب اگر قیدیوں کا تبادلہ نہ ہو سکے۔

② اسلام میں کسی کو غلام وغیرہ بنانے کا کوئی حکم نہیں البتہ اجازت ہے اور وہ بھی اس لیے کہ یہ اس دور کی ضرورت تھی۔

③ دین اسلام وہ دین ہے جو غلام و لونڈیوں کو آزاد کروانے کی طرف بہت زیادہ رغبت دلاتا ہے۔ اسی لیے اسلام میں غلاموں کو آزاد کرنے پر اجر و ثواب رکھا ہے، بلکہ بعض گناہوں کا کفارہ غلاموں کو آزاد کرنا ہی رکھا ہے۔ اسی طرح لونڈی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرنے کو بھی نیکی قرار دیا گیا اور جن لونڈیوں سے ان کا مالک جنسی تعلقات قائم کرے مالک کے مرنے کے بعد وہ آزاد ہیں۔

④ غلام و لونڈیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کی بہت تاکید ملتی ہے۔ اس کے لیے چند احادیث کا خلاصہ پیش کر رہا ہوں:

- سوید بن مقرن رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم سات بھائیوں کے پاس ایک ہی غلام تھا۔ ایک مرتبہ ہمارے چھوٹے بھائی نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا: ''اس غلام کو آزاد کر دو۔'' (مسند احمد: 5240)
- کسی نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم اپنے غلام کو غلطی کرنے پر کتنی بار معاف کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک دن میں ستر مرتبہ۔'' (مسند احمد: 5235)
- سوید بن مقرن رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے ایک غلام کو تھپڑ مارا، والد کو خبر ہوئی تو انھوں نے ہم دونوں کو بلایا اور غلام سے کہا کہ معاویہ سے بدلہ لو۔ (مسند احمد: 5235)
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے سوال کیا کہ کوئی ایسا عمل بتایے جس کے کرنے سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''غلام کو آزاد کر اور گردنوں کو غلامی سے چھڑاؤ۔'' (بخاری: 2518)
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کے متعلق فرمایا: ''یہ تمھارے بھائی تمھارے خادم ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے تمھارا دست نگر بنایا ہے۔ پس جس کسی کا بھائی اس کے

ماتحت ہو اسے چاہیے کہ اس کو وہی کھلائے جو خود کھائے اور وہی پہنائے جو خود پہنے۔ تم ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو اور اگر کوئی ایسی بھاری خدمت ان کے سپرد کرو تو خود ان کا ہاتھ بٹاؤ۔'' (بخاری + مشکاۃ: 3369)

رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری لمحے میں اپنی امت کے لیے جو وصیت فرمائی تھی اس میں پہلے نماز کی تاکید کی تھی اس کے بعد غلاموں سے حسنِ سلوک کی تاکید کی تھی۔ اس کے علاوہ قانونی لحاظ سے غلام کے حقوق تقریباً آزاد کے برابر تھے۔ غلاموں کا مال چرانا، ان کو قتل کرنا، ان کی عورتوں کی آبرو ریزی کرنا، ان کو جسمانی نقصان پہنچانے والا خواہ آزاد ہو یا غلام ان کو وہی سزا دی جائے گی جو آزاد لوگوں کے ساتھ ان جرائم کا ارتکاب کرنے والے کے لیے مقرر ہے۔ یعنی قانونی لحاظ سے آزاد اور غلام دونوں برابر تھے۔

آج کے دور میں جب کہ بہت سی تنظیمیں انسانی مساوات وحقوق کے لیے کام کر رہی ہیں اس دور میں بھی امیر وغریب کے لیے قانون برابر نہیں اور اگر غلطی سے قانون برابر بن بھی جائے تو عمل درآمد میں واضح فرق ہوگا، مثلاً امریکی صدر کو جوتا مارنے کی سزا تین سال قید جب کہ غریب آدمی کو جوتا مارنے کی قانون میں کوئی سزا نہیں۔ اسی طرح بالکل نچلی سطح پر بھی اگر آپ غور کریں گے تو آپ کو ہر معاملے میں واضح فرق نظر آئے گا۔

قانون سے زیادہ اسلامی سوسائٹی نے غلاموں کو اپنے اندر عملاً مساوات کا درجہ دیا ہے۔ علم، سیاست، مذہب، معاشرت وغیرہ ہر شعبہ میں ان کی ترقی کی تمام راہیں کھلی تھیں۔ غلام ہونا کوئی رکاوٹ نہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی پھوپھی زاد بہن سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی شادی اپنے

آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ سے کی تھی۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کا نکاح ایران کی ایک شہزادی سے ہوا جو جنگ میں لونڈی بن کر آئی تھی۔ امام زین العابدین انہی لونڈی کے بطن سے تھے جن کی اولاد اشراف اسلام میں سب سے بالاتر درجہ رکھتی ہے۔

صہیب رومی رحمہ اللہ غلام تھے جنھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی جگہ امامت کے لیے کھڑا کیا تھا۔

سالم رضی اللہ عنہ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام تھے جن کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے انتقال کے وقت فرمایا تھا کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو میں انھیں خلافت کے لیے منتخب کرتا۔

اسامہ بن زید غلام زادے تھے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری وقت میں اس لشکر کا سردار بنایا تھا جس میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی شریک تھے اور جن کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ سے کہا تھا کہ اسامہ رضی اللہ عنہ کا باپ تیرے باپ سے اور اسامہ خود تجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب تھے۔

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ غلام تھے جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ بلال رضی اللہ عنہ ہمارے آقا کا غلام اور ہمارا آقا ہے۔

یہ باتیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کی ہیں اس کے کئی سو سالوں بعد بھی قطب الدین ایبک اور شمس الدین التمش جیسے جلیل القدر غلاموں نے خود ہمارے ملک ہندوستان پر حکومت کی۔

اسی طرح بے شمار غلام امام، محدث اور فقہائے کرام کے درجے پر بھی پہنچے۔ اس طرح اسلام نے غلامی اور آزادی میں کوئی فرق نہ رہنے دیا لفظ غلامی اگرچہ باقی رہا مگر اس کی حقیقت مکمل طور پر بدل گئی۔ اس معاشرے میں آزاد اور غلام کی عزت

میں صرف اتنا ہی فرق رہ گیا جتنا کہ آج ہمارے معاشرے کے امیروں اور غریبوں کے درمیان موجود ہے۔

اسلام میں غلاموں اور لونڈیوں کے یہ حقوق جاننے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ کیوں نہ اس دور کے قیدیوں کے نظام کا اس ترقی یافتہ دور کے قیدیوں کے نظام سے موازنہ کیا جائے اوراس بات کا جائزہ لیا جائے کہ کون سا نظام قیدیوں کے حق میں بہتر ہے اور کسی نظام میں قیدیوں یا انسانیت کی تذلیل ہے۔

مثال کے طور پر دونوں ادواروں میں دوملکوں کی افواج جنگ کے لیے آمنے سامنے آئیں اور ایک فوج نے دوسری فوج پر غلبہ حاصل کر لیا اورلڑائی کے لیے آئے ہوئے بیس ہزار مردوں اور تین ہزارعورتوں کو قیدی بنا لیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ چھ ضروری چیزیں جن کی خواہش جانوروں میں بھی ہوتی ہے وہ کس دور اور کس نظام کے قیدیوں کو ملتی ہیں۔ پچھلے دور والوں نے اپنے قیدیوں کو غلام اور لونڈی بنا لیا اور موجودہ دور والوں نے انھیں جیل میں ڈال دیا:

① جان کا تحفظ: ہر جانور کے اندر یہ خواہش ہوتی ہے کہ نہ تو اسے مارا پیٹا جائے اور نہ اسے قتل کیا جائے۔ جان کا یہ تحفظ تو اسلامی نظام کے اس دور میں بھی قیدیوں کو میسر تھا اور موجودہ غیر اسلامی نظام میں بھی موجود ہے۔ یعنی اس معاملے میں دونوں برابر ہیں۔

② جنسی تسکین: ہر جانور کے نر و مادہ میں جنسی رغبت کی شدید خواہش ہوتی ہے غلام ولونڈی کے نظام میں یہ جنسی تسکین انھیں میسر ہوتی ہے جب کہ موجودہ دور کے فوجی قیدیوں کو یہ چیز میسر نہیں ہوتی۔

③ خوراک: جانوروں کو کھانے کی خواہش بھی ہوتی ہے اور ضرورت بھی۔ اس لیے

جنگی قیدیوں کو بھی کھانا ملنا چاہیے یہ سہولت دونوں نظاموں میں موجود اور اس معاملے میں دونوں نظام برابر ہیں۔

④ رہنے کی جگہ: غلام و لونڈیوں کو اپنے مالک کے گھر رہنے کی جگہ ملتی ہے اور موجودہ دور کے قیدیوں کو جیل میں رہنے کے لیے جگہ ملتی ہے، اس معاملے میں بھی دونوں نظام برابر ہیں۔

⑤ آزادانہ نقل وحرکت: جانوروں کے اندر آزادانہ نقل وحرکت کی بھی خواہش ہوتی ہے وہ قید میں رہنے کو پسند نہیں کرتے۔ غلام و لونڈیوں کو آزادانہ نقل و حرکت کی سہولت ملتی ہے، مگر موجودہ دور کے قیدیوں کو یہ سہولت نہیں ملتی۔

⑥ بچوں کی خواہش: جانوروں میں بچے پیدا کرنے اور چھوٹے بچوں کو اپنے ساتھ رکھنے اور کنبے کی شکل میں رہنے کی خواہش ہوتی ہے۔ یہ سہولت بھی غلام و لونڈی والے نظام میں موجود ہوتی ہے، مگر موجودہ نظام میں نہیں۔

اس طرح پوری بحث کا لُب لباب یہ نکلتا ہے کہ وہ چھ اہم چیزیں جو کہ ہر جانور کی ضرورت وخواہش ہوتی ہیں، ان میں سے موجودہ نظام دور کے جنگی قیدیوں کو تین ملتی ہیں اور تین نہیں ملتی، جب کہ غلام ولونڈی کے پرانے نظام میں مکمل سہولتیں ملتی ہیں۔

ان وجوہات کی وجہ سے قیدیوں کے حق میں پرانا نظام بہتر ہے موجودہ نظام سے اس کے لیے اگر آپ قیدیوں کو اختیار دیں تو وہ بھی خود کو غلام بنانے کو ترجیح دیں اور اگر بالفرض آپ موجودہ دور کے قیدیوں کو چھ کی چھ سہولیات دے دیں تو پھر ان کے لیے کوئی سزا ہی نہ رہی اور اگر یہ بنیادی سہولتیں انسان کو نہ ملیں تو یہ انسانیت کی تذلیل وتوہین ہے۔

دوسری طرف اگر پرانے نظام میں سے صرف ''غلام و لونڈی'' کے الفاظ کو

تبدیل کر کے ان کی جگہ کوئی نئے الفاظ مثلاً فیملی ممبر، ملازم، معاون، حمایتی وغیرہ کے استعمال کر لیے جائیں تو قیدی تو کیا عام آدمی بھی اسی پرانے نظام کو ترجیح دینے لگے، کیونکہ غلام لفظ سننے کے بعد عام آدمی کے ذہن میں غلام اور غلامی کا وہ تصور ابھرتا ہے جو برطانیہ نے اپنے غلاموں کے ساتھ روا رکھا تھا۔

دین اسلام کی یہ علمی معلومات حاصل ہونا اور اس معاملے میں اپنے ذاتی غور و تدبر کے بعد دین اسلام پر سے میرا یہ اعتراض بھی ختم ہو گیا تھا مگر ایک سوال مجھے ابھی بھی پریشان کر رہا تھا، وہ یہ کہ اگرچہ دین اسلام غلامانہ نظام کی حوصلہ افزائی نہیں کر رہا، مگر اس دین نے قرآن مجید کے کسی واضح حکم کے ذریعے اس نظام پر پابندی کیوں نہ لگائی۔

اس سوال کا جواب مجھے صدر زرداری کے آخر دو سالہ دورِ حکومت میں ملا۔ جب ملک کے حالات لوڈشیڈنگ کی وجہ سے اتنے خراب ہو گئے کہ ایک مزدور جو اس وقت یومیہ 800 روپے کماتا اور 800 ہی خرچ کر رہا تھا اس کی آمدن 200 روپے یومیہ رہ گئی۔ اس وقت کے مزدوروں نے وہ دن بہت تنگی سے گزارے۔

اس وقت ملکی حالات پر گفتگو کرتے ہوئے میرے ایک دوست نے کہا تھا کہ آج کا مزدور اپنی تنگی کی وجہ سے آتھڑی بننے کو ترجیح دیتا ہے۔ (آتھڑی غلامی کی ہی ایک شکل ہے) کیونکہ اسے پیٹ بھرنے کے لیے کھانا اور سونے کے لیے چھت تو مل جائے گی۔ اگر ملک کی وہ حالت پانچ دس سال مزید رہ جاتی تو مزدور اور غریب آدمی کے پاس دو ہی راستے بچتے ایک تو یہ کہ بھوک کی وجہ سے اپنی اور اپنے بچوں کی موت کا انتظار کرے اور دوسرا یہ کہ اپنے آپ کو کسی امیر شخص کی غلامی میں دینا۔ اس وقت تو میں ان حالات سے کوئی خاص علمی فائدہ نہ اٹھا سکا مگر حالت ہدایت پر آنے کے بعد

میں نے اپنے اس سوال کا جواب اپنے دوست کی اسی بات سے ہی حاصل کیا۔ وہ یہ کہ مستقبل میں ایسے حالات آ سکتے ہیں کہ ہمیں غلام و لونڈی کے اس نظام کی ضرورت پڑے، اسی لیے دین اسلام نے اس نظام کی مخالفت تو کی مگر اس پر مکمل پابندی عائد نہ کی۔ اس بات کو ترقی یافتہ ممالک کے لوگ نہیں سمجھ سکتے، کیونکہ وہاں دولت کی فروانی ہے اور غربت سے وہ آشنا نہیں۔

⑥ کثرتِ ازدواج:

اس معاملے میں حالت گمراہی میں مجھے کسی نے سوال کیا تھا کہ محمد ﷺ نے اتنی زیادہ شادیاں کیوں کی تھیں؟ میں نے یہ سوال دو چار مولویوں سے کیا تو وہ مجھ کو تسلی بخش جواب نہ دے سکے، اس وجہ سے میرے اس سوال نے دین اسلام پر ایک اعتراض کی شکل اختیار کر لی۔ لیکن حالت ہدایت پر آنے کے بعد جب میں نے اس معاملے پر کچھ غور و تدبر کیا تو درج ذیل باتیں سامنے آئیں۔

① محمد ﷺ کے دور میں آپ ﷺ کے مخالفین آپ ﷺ کی تبلیغ دین کو ناکام کرنے کے لیے لوگوں میں بہت سی جھوٹی باتیں پھیلاتے تھے، مگر ان لوگوں نے آپ ﷺ پر زیادہ شادیوں کا طعنہ و اعتراض نہیں کیا۔ حالانکہ یہ بات سچ اور عیاں تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس دور اور معاشرے میں کثرتِ ازدواج کوئی عیب نہ تھا۔ اسی لیے یہ اعتراض اس دور میں آپ ﷺ پر نہ کیا گیا۔

② موجودہ دور میں شادی کے معاملے میں لوگوں کی سوچ اتنی تبدیل ہوگئی کہ یورپ و امریکہ جیسے ترقی یافتہ ممالک میں ایک مرد دو، چار عورتوں کو ایک وقت میں رکھیل کے طور پر رکھ سکتا ہے، مگر بیویوں کے طور پر نہیں۔ اس طرح موجودہ دور میں ایک سے زیادہ شادیوں کو ایک عیب قرار دے دیا گیا۔ اسی وجہ سے یہ عام

بات ایک بڑے اعتراض کی شکل اختیار کر گئی۔

③ اس وقت پاور، پوزیشن، پیسہ ہر معاملے میں عیسائیوں کو غلبہ حاصل ہے اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیرو ہیں، جنھوں نے شادی نہ کی تھی اور عیسائی راہب جو کہ بہت عبادت گزار ہوتے ہیں وہ بھی شادی کم ہی کرتے ہیں۔ ان وجوہات کی وجہ سے بھی محمد ﷺ کا گیارہ شادیاں کرنا ایک اعتراض کی شکل اختیار کر گیا۔

④ چوتھی اور اہم بات یہ ہے کہ ہر دور میں ہر دین اور ہر بڑی شخصیت کے مخالفین موجود ہوتے ہیں جو کہ مختلف قسم کی عیب چینیاں کرتے رہتے ہیں، اس لیے یہ نہیں ہوسکتا کہ محمد ﷺ کے مخالفین اس دور میں موجود نہ ہوں۔ محمد ﷺ کے ان مخالفین کا آپ ﷺ کی کثرتِ ازدواج کا سوال اٹھانے کا مقصد یہ ہے کہ نعوذ باللہ محمد ﷺ کوئی پیغمبر نہیں تھا، بلکہ ایک رنگین مزاج شخص تھا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ عورت مرد کے لیے ایک عیاشی کا سامان بھی ہے، مگر اہلِ عقل اور اہلِ علم لوگ جانتے ہیں کہ رنگین مزاج اور عیاش لوگ جو شادیاں کرتے ہیں وہ صرف اور صرف کنواری، خوبصورت اور کم عمر لڑکیوں سے ہی کرتے ہیں۔ اس کے لیے مختلف بادشاہوں کی مثالیں آپ کے سامنے ہیں۔ جب کہ محمد ﷺ کی تمام ازواج بیوہ، طلاق یافتہ اور بڑی عمر کی تھیں سوائے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے۔ حضرت محمد ﷺ نے اپنی پہلی شادی 25 سال کی عمر میں اس بیوہ سے کروائی جس کی عمر 40 سال تھی، اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنی دوسری شادی 53 سال کی عمر میں کروائی، اس طرح آپ ﷺ نے اپنی پوری جوانی ایک بیوہ عورت کے ساتھ گزاری۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی باقی کی دس شادیاں 53 سے 63 سال کی عمر میں کروائی یہ وہ عمر ہے جس میں کسی مرد کو شہوت کے طور پر

عورت کی ضرورت کم ہی محسوس ہوتی ہے۔

باقی رہا یہ سوال کہ نبی اکرم ﷺ نے گیارہ شادیاں کیوں کیں؟ اس سوال کا صحیح جواب تو اسی وقت مل سکتا تھا کہ اگر کوئی شخص نبی اکرم ﷺ سے یہ سوال کرتا پھر آپ ﷺ خود اس کا جواب دیتے، لیکن نہ تو آپ ﷺ سے کسی نے یہ سوال کیا اور نہ ہی آپ ﷺ نے خود اس کی کوئی وجہ بیان کی۔ اس سوال کا جواب مختلف آراء کی شکل میں ہی دیا جا سکتا ہے جو میرے نزدیک درج ذیل ہیں:

① اللہ تعالیٰ کا حکم ہوسکتا ہے یا وقت کی ضرورت۔

② کچھ صحابیات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خاص عزت دینا مقصد ہوسکتا ہے۔

③ نبی اکرم ﷺ کی گھریلو زندگی کو بہتر طور پر امت کے سامنے پیش کرنا۔

④ بیوہ عورتوں سے شادی کرنا لوگوں کو اچھا نہیں لگتا اس طرف لوگوں کو رغبت دلانا وغیرہ۔

دوسری بات یہ ہے کہ بفرض یہ سوال یا اس جیسے دو چار مزید ایسے سوالات موجود ہوں کہ جن کے جوابات دین اسلام سے نہ ملتے ہوں تو کیا ایسے دو چار سوالوں کی وجہ سے دین اسلام اور اس کی تمام تعلیمات کو غیر اہم قرار دیا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب ہے: ''نہیں'' کیونکہ سائنس ہو یا فلسفہ، دین اسلام ہو یا کوئی اور دین ہر ایک کے لیے کچھ نہ کچھ ایسے سوالات ہوتے ہیں کہ جن کے تسلی بخش جوابات نہیں ملتے پھر دین اسلام کے ایمان بالغیب کا بھی یہ تقاضا ہے کہ ایسے دو چار سوالات کو نظر انداز کر کے ان جوابات کی طرف دیکھا جائے جن سے آپ مطمئن ہیں۔ آج سائنس اپنی ترقی کے لحاظ سے عروج پر ہے مگر پھر بھی وہ بعض چھوٹے اور بنیادی سوالات کے تسلی بخش جوابات دینے سے قاصر ہے، مثلاً زمین پر اتنی بڑی مقدار میں دو مختلف ذائقوں

والا پانی کہاں سے آیا؟ سب سے پہلی جاندار چیز یعنی کوئی وائرس یا بیکٹیریا کیسے پیدا ہوا؟ انسان کو بولنے کی خاص قوت کیسے حاصل ہوئی، وغیرہ؟ لہٰذا دین کے معاملے میں اپنے اندر کچھ نرمی پیدا کریں اور ایسے دو چار سوالات کو نظر انداز کر دیں جن سے شکوک وشبہات کا دروازہ کھلتا ہو اس میں آپ ہی کا فائدہ ہے۔

⑦ بنی قریظہ کا قتل عام:

حالت گمراہی میں دین اسلام پر میرا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں 700 کے قریب یہودیوں کو قتل کیا گیا جب کہ انھوں نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ لیکن اس اعتراض کو میں غیر اہم سمجھتا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی اکرم ﷺ کی پوری زندگی میں اس طرز کا یہ ایک ہی واقعہ تھا اس لیے میرا اپنا ذہن اس بات پر قدرے مطمئن تھا کہ اس واقعہ کی کچھ خاص وجہ ہو گی۔

حالت ہدایت پر آنے کے بعد میں نے اس واقعہ کا کچھ علم حاصل کیا اور کچھ اس پر غور و تدبر کیا تو درج ذیل باتیں سامنے آئیں:

① بنی قریظہ کا مسلمانوں کے ساتھ میثاقِ مدینہ کے نام سے یہ معاہدہ تھا کہ جو کوئی بھی مدینہ شہر پر حملے کے لیے آئے گا سب مل کر مدینہ شہر کا دفاع کریں گے۔ بنی قریظہ نے نہ صرف عین جنگ کے وقت اس معاہدے کی خلاف ورزی کی، بلکہ مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ جا ملے۔ بعد میں مسلمانوں نے ایک جنگی تدبیر کے ذریعے ان میں پھوٹ ڈالی اور وہ جدا جدا ہو گئے۔

② بنی قریظہ نے ہتھیار انتہائی مجبور ہو کر اس شرط پر ڈالے تھے کہ قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ان کے حق میں جو بھی فیصلہ کر دیں انھیں منظور ہو گا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا نام بنی قریظہ نے اس لیے لیا تھا کہ ان کے

ساتھ ان کے پرانے دوستانہ تعلقات تھے اور بنی قریظہ سمجھتے تھے کہ وہ ان کے حق میں نرم فیصلہ کریں گے۔

③ بنی قریظہ کی اس شرارت کی وجہ سے اگر مشرکین مکہ کامیاب ہو جاتے تو مسلمانوں کا ناقابلِ تلافی نقصان ہوتا۔ یعنی تمام مسلمان مرد جن کی تعداد اس قت تقریباً 3000 تھی وہ سب کے سب قتل ہوتے ان کی تمام عورتوں کو لونڈیاں بنایا جاتا اور تمام بچے غلام بنتے۔

اب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اس ساری صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ بنی قریظہ کے تمام جوان مرد قتل کیے جائیں اور ان کی تمام عورتوں اور بچوں کو قیدی بنایا جائے۔ یہ فیصلہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنی ذاتی رائے سے نہیں کیا تھا، بلکہ یہودیوں کی کتاب تورات کے مطابق کیا تھا اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اپنی ذاتی رائے کے مطابق فیصلہ کرتے تو بھی یہی کرتے، کیونکہ اس سے پہلے ایک یہودی قبیلہ بنی نضیر کو مسلمانوں نے ان کی شرارت کی وجہ سے جلاوطن کرنے کا نرم فیصلہ کیا تھا۔ اسی قبیلے نے مسلمانوں کے تمام دشمنوں کو اکٹھا کیا اور مدینہ پر چڑھائی کروائی۔ اگر بنی قریظہ کو نرم فیصلہ کرتے ہوئے جلاوطن کرتے تو اس کا مطلب تھا اپنے دشمنوں کو مضبوط کرنا۔ ان وجوہات کی وجہ سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ تورات کے مطابق تھا، عدل پر مبنی تھا عقل اور حالات کے مطابق درست تھا۔

یہ معلومات حاصل ہونے کے بعد بھی کوئی شخص یہ اعتراض اٹھا سکتا ہے کہ اگرچہ یہ فیصلہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نہیں کیا تھا، مگر پیغمبر تھے رحمت للعالمین تھے وہ اس فیصلے میں نرمی کروانے کا اختیار رکھتے تھے، انھیں نرمی کروانی چاہیے تھی۔

اس بات کا جواب یہ ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہی اللہ تعالیٰ کا

فیصلہ بھی تھا، جیسا کہ احادیث میں آتا ہے کہ کفار کے واپس پلٹ جانے کے بعد رسول اکرم ﷺ نے جب اپنے ہتھیار اتار دیئے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ بنی قریظہ کو عہد توڑنے کی سزا دیجیے۔(ابن ہشام: 245/2)

پھر آپ ﷺ نے محاصرہ کیا، بنی قریظہ کے لیے حضرت جبرائیل علیہ السلام کا آنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا۔ اس کے علاوہ تورات کا بھی یہی حکم تھا جو کہ اللہ تعالیٰ ہی کا حکم تھا۔ مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے سورت مائدہ کی آیت نمبر 44 سے 50 تک میں یہودیوں کو تورات، عیسائیوں کو انجیل اور مسلمانوں کو قرآن کے مطابق فیصلہ نہ کرنے کی وجہ سے ظالم، فاسق اور کافر قرار دیا ہے۔ ان وجوہات کی وجہ سے آپ ﷺ اس فیصلے میں نرمی کروانے کا اختیار نہیں رکھتے تھے۔ ان باتوں کو جاننے کے بعد میرا یہ اعتراض ختم ہو گیا۔

⑧ پیشین گوئیاں:

حالت گمراہی میں دین اسلام اور قرآن مجید کے متعلق میرے ذہن میں کبھی کبھار یہ خیال بھی آتا تھا کہ اگر یہ دین سچا اور بہتر ہوتا تو یہ ضروری تھا کہ بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے قرآن مجید میں واضح پیشین گوئیاں موجود ہوتیں، تاکہ ان پیشین گوئیوں کی وجہ سے ان لوگوں کے ایمان کو تقویت ملتی اور وہ شک وشبہ سے بچتے اور یہ پیشین گوئیاں ہر سو سال کے زمانے کے حساب سے ہوتیں، تاکہ آنے والے ہر زمانے کے لوگ اپنے اپنے وقت میں ان پیشین گوئیوں کی وجہ سے یہ جان لیتے کہ دین اسلام حق ہے پھر اس پر عمل کرتے، لیکن حالت ہدایت پر آنے کے بعد جب میں نے اپنی اس بات پر دوبارہ غور کیا تو میں نے محسوس کیا کہ میرا یہ خیال غلط تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی عبادت کے معاملے میں نہ تو انسان پر زبردستی کرنا چاہتا ہے اور نہ

اپنے آپ کو انسان پر اتنا عیاں کرنا چاہتا ہے کہ ایمان بالغیب ہی کا خاتمہ ہو جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اس طرح انسان سے اپنی عبادت کروانی ہوتی تو پھر نہ تو کسی پیغمبر کی ضرورت ہوتی اور نہ کسی کتاب کی تمام انسان ایک دین اور ایک ہی فرقے پر ہوتے اور سب کے سب نیکوکار اور متقی ہوتے، جس طرح کہ فرشتے ہیں یہ باتیں ذہن میں آنے کے بعد میرا یہ خیالی اعتراض بھی ختم ہو گیا۔

⑨ واقعہ کربلا:

دین اسلام سے دور رہنے کی میری ایک وجہ واقعہ کربلا بھی تھی۔ میں سوچتا تھا کہ اگر یہ دین اور اس کی تعلیمات حق پر مبنی ہوتیں تو محمد ﷺ کی وفات کے کچھ سالوں بعد ہی اتنا بڑا ظالمانہ واقعہ نہیں ہو سکتا تھا اور وہ بھی نبی اکرم ﷺ کے گھر والوں کے ساتھ، لیکن حالت ہدایت پر آنے کے بعد جب میں نے درج ذیل احادیث پڑھیں تو میں اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کی وجوہات جان گیا:

① سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میری امت کی بربادی قریش کے چند نوجوانوں کے ہاتھ سے ہو گی۔'' پھر بنوامیہ کے مروان بن حکم سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اگر میں چاہوں تو ان کے نام بھی بتا سکتا ہوں۔'' (صحیح البخاری، ح: 7058)

② سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے راز دار سیدنا حذیفہ نے فرمایا کہ مجھے حکمرانوں کے بارے میں آپ ﷺ کا خطبہ یاد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم میں نبوت باقی رہے گی جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب چاہے گا اسے اٹھا لے گا۔ پھر نبوت کی طرز پر خلافت ہو گی جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب چاہے گا اسے بھی اٹھا لے گا، پھر کاٹ کھانے والی

بادشاہت ہوگی جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب چاہے گا اسے بھی اٹھا لے گا، پھر جابرانہ بادشاہت ہوگی جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب چاہے گا اسے بھی اٹھالے گا۔ پھر نبوت کی طرز پر خلافت ہوگی (یعنی قیامت کے قریب امام مہدی کا دور) اس کے بعد آپ خاموش ہو گئے۔'' (مسند احمد: 273/4، ح: 18430)

③ ایک دن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روتے ہوئے پایا تو آپ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رونے کا سبب پوچھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابھی میرے پاس سے جبرائیل علیہ السلام اٹھ کر گئے ہیں، انھوں نے مجھے بتایا کہ حسین رضی اللہ عنہ کو فرات کے کنارے شہید کیا جائے گا۔'' (السلسلۃ الصحیحۃ: 3467)

ان جیسی احادیث کو پڑھنے کے بعد میں جان گیا کہ اس امت نے مختلف قسم کے اچھے و برے حالات سے گزرنا ہے۔ بعض حالات سے گزر چکی ہے، بعض سے گزر رہی ہے اور بعض حالات سے ابھی مستقبل میں گزرنا ہے۔ واقعہ کربلا بھی گزر جانے والے بُرے حالات کا ایک حصہ ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مظلومانہ طریقے سے شہید ہونے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہلِ بیت کو سخت آزمائش میں رکھ کر امت کے لیے ایک بڑی مثال بنانا تھا اور اپنی آزمائشوں پر صبر کرنے کی وجہ سے انھیں آخرت میں بلند درجات پر فائز کرنا تھا۔ اس طرح کچھ غور و تدبر کے بعد یہ اعتراض بھی میرے ذہن سے ختم ہو گیا۔

⑩ دنیاوی تقابل:

دین اسلام کو شک کی نگاہ سے دیکھنے کی میری ایک وجہ یہ تھی کہ جب بھی میں دنیاوی لحاظ سے مسلمانوں اور غیر مسلموں کا آپس میں موازنہ کرتا تو میں ہر لحاظ سے

غیر مسلموں کو مسلمانوں سے آگے دیکھتا یعنی علم، عقل، طاقت، وسائل، تعلیم، اختیارات، سہولیات غرض یہ کہ ہر وہ چیز جسے انسان دنیاوی لحاظ سے بہتر جانتا ہے وہ تمام چیزیں غیر مسلموں کے پاس پاتا۔ اس وجہ سے میں دین اسلام کو تو شک کی نگاہ سے دیکھتا جب کہ غیر مسلموں خاص طور پر یورپ ممالک کی تقلید کرنے پر بہت فخر کرتا، لیکن حالت ہدایت پر آنے کے بعد جب میں نے پورے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا تو درج ذیل آیات نے میرے اس شک کو دور کر دیا:

- ''کافروں کے لیے دنیا کی زندگی خوب زینت دار کی گئی ہے، وہ ایمان والوں سے ہنسی مذاق کرتے ہیں، حالانکہ پرہیز گار لوگ قیامت کے دن ان سے اعلیٰ ہوں گے، اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔'' [البقرۃ: ۲۱۲]
- ''تجھے کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا فریب میں نہ ڈال دے، یہ تو بہت ہی تھوڑا فائدہ ہے اس کے بعد ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے۔'' [آل عمران: ۱۹۶،۱۹۷]
- ''اور جس دن کافر جہنم کے سرے پر لائے جائیں گے (کہا جائے گا) تم نے اپنی نیکیاں دنیا کی زندگی میں ہی برباد کر دیں اور ان سے فائدے اٹھا چکے، پس آج تمھیں ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی، اس باعث کے تم زمین میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس باعث بھی کہ تم حکم عدولی کیا کرتے تھے۔ [الأحقاف: ۲۰]

اس قسم کی آیات پڑھنے کے بعد میں سمجھ گیا کہ غیر مسلم دنیاوی زندگی میں مسلمانوں سے بہتر رہیں گے۔ ان آیات کو قرآن مجید کی پیشین گوئیوں والی آیات میں بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح ان آیات کی وجہ سے میں مسلمانوں اور غیر مسلموں

کے دنیاوی تقابل کے شک سے تو نکل کیا گیا مگر حالت ہدایت پر آنے کے باوجود اکثر کاموں میں مَیں یورپ ممالک کی تقلید کرتا تھا اور ایسا کرنے پر فخر بھی محسوس کرتا تھا۔

ایک دن ٹی۔ وی پر خاص خاص خبریں سن رہا تھا ان خاص خبروں میں ایک خبر جو کہ کسی یورپ ملک کی تھی وہ یہ تھی: ''مردوں نے اپنی اپنی بیویوں کو اٹھا کر دوڑ لگائی'' خبر سننے کے بعد طبیعت میں اکتاہٹ سی پیدا ہوگئی کہ اس خبر میں ایسی کون سی بات تھی کہ یہ خبر پاکستانی ہیڈ لائنز کا حصہ بنتی، البتہ میں نے بات کو نظر انداز کر دیا۔

کچھ عرصے بعد یورپ ممالک کی ایک اور ایسی ہی خبر سننے کو ملی وہ خبر یہ تھی: ''عورتوں نے اپنے شیرخوار بچوں کو Pram میں ڈال کر دوڑ لگائی'' خبر سننے کے بعد پھر طبیعت بوجھل ہوئی، لیکن اس بار میں نے پاکستانی میڈیا پر کچھ تنقید کی کہ پاکستانی میڈیا میں بیوقوفوں کی بھرمار ہے لیکن میں نے بات کو پھر نظر انداز کر دیا۔ کچھ دنوں بعد ایک اور ایسی ہی خبر سننے کو ملی وہ خبر یہ تھی کہ ''عورتوں اور مردوں کے دو مخلوط گروہوں نے ایک دوسرے کو ٹماٹر مار کر خوشیاں منائیں'' یہ خبر سننے کے بعد میں نے اپنے آپ سے سوال کیا: ''کیا یہی وہ قوم ہے جس کی تقلید کرنے کو میں اپنے لیے باعث فخر سمجھتا ہوں۔''

پہلے تو مجھے اس قوم کا مقلد ہونے کی وجہ سے سخت پچھتاوا ہوا اور میں نے ایک دو منٹ کے لیے شرمندگی محسوس کی لیکن پھر میں نے ایک گہری اور ٹھنڈی سانس لی اور اپنے آپ کو یورپ ممالک اور ان کی اقوام کی تقلید سے آزاد پایا اور بہت خوشی محسوس کی۔ آج میں یورپ ممالک کے متعلق یہ بات کہتا ہوں کہ ان سے سائنس و ٹیکنالوجی وغیرہ کا علم لینے میں تو بڑا فائدہ ہے مگر ان کی تہذیب، کلچر، قوانین، عادات اور رسومات کو اپنانے میں نقصان ہی نقصان ہے خاص طور پر مسلمانوں کو۔ یہ اقوام تو

بچوں کا سا ذہن رکھتی ہیں اگر کوئی میچ جیت جائیں تو خوشی کی کوئی انتہا نہیں اور اگر ہار جائیں تو رونے لگتے ہیں، ان باتوں کو سمجھنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے یورپ کی تقلید سے بھی آزاد کر دیا۔

⑪ حضرت محمد ﷺ کے مبعوث ہونے کا صحیح وقت:

دین اسلام کو حالت گمراہی میں مَیں اس وجہ سے بھی شک کی نگاہ سے دیکھتا تھا کہ میں یہ سمجھتا تھا کہ نبی اکرم ﷺ کے مبعوث ہونے کا صحیح وقت موجودہ دور تھا۔ خاص طور پر اگر وہ آخری نبی تھے کیونکہ ٹی۔ وی اور نیٹ وغیرہ ہونے کی وجہ سے وہ پوری دنیا میں دیکھے اور سنے جاتے اور ان کے اقوال وافعال بھی اچھی طرح محفوظ ہو جاتے۔لیکن حالت ہدایت پر آنے کے بعد جب میں نے اپنی اس بات پر غور کیا تو میں نے نبی اکرم ﷺ کے مبعوث ہونے کا بہترین وقت وہی پایا، جس وقت وہ مبعوث ہوئے تھے۔

اس بات کو میں ایک مثال کے ذریعے سمجھا، وہ مثال یہ تھی کہ فرض کرو کہ دو الگ الگ گھروں کے لڑکے تعلیم حاصل کرنے کے لیے کسی دوسرے شہر جاتے ہیں اور الگ الگ جگہوں پر کرائے پر رہتے ہیں۔ دونوں لڑکوں کا ماہانہ خرچ ہر ماہ گھر والے بھیج دیتے ہیں۔ ایک سال گزرنے کے بعد جب دونوں لڑکوں کا مارچ کے مہینے کا ماہانہ خرچ آتا ہے تو ایک لڑکا جس کا تعلق امیر گھر سے تھا اس کا خرچ پچاس ہزار آتا ہے اور دوسرا لڑکا جس کا تعلق قدرے غریب گھر سے ہے اس کا اس مہینے کا ماہانہ خرچ بیس ہزار روپے آتا ہے۔ اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ کس لڑکے کا وہ مہینہ خرچ کے اعتبار سے آسان گزرے گا اور کس کا قدرے مشکل؟ تو تقریباً سب کا جواب یہی ہوگا کہ جس لڑکے کا خرچ پچاس ہزار آیا تھا اس کا مہینہ بہتر گزرے گا اور دوسرے لڑکے کا

قدرے مشکل۔ اب سوال کرنے والا ماہانہ خرچ کے متعلق ایک اور بات بتاتا ہے جو کہ اس نے پہلے مخفی رکھی تھی۔ وہ یہ کہ جس امیر لڑکے کا ماہانہ خرچ پچاس ہزار روپے آیا تھا اس لڑکے کا ماہانہ خرچ ہر ماہ ایک لاکھ روپے آیا کرتا تھا اور جس غریب لڑکے کا ماہانہ خرچ بیس ہزار روپے آیا تھا اس لڑکے کا خرچ ہر ماہ دس ہزار روپے آیا کرتا تھا۔

اب یہ معلومات دینے کے بعد سوال کرنے والا پھر وہی سوال کو دہراتا ہے کہ ان دونوں لڑکوں میں سے خرچ کے لحاظ سے کس کا مہینہ بہتر گزرے گا اور کس کا قدرے مشکل۔ یقیناً اب جواب تبدیل ہو جائے گا اور اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اگرچہ امیر لڑکے کے پاس پچاس ہزار روپے ہیں جو کہ غریب لڑکے سے زیادہ ہیں۔مگر وہ ہر ماہ ایک لاکھ روپے خرچ کرنے کا عادی ہو چکا تھا اس لیے اس کا وہ مہینہ پچاس ہزار روپوں میں قدرے مشکل گزرے گا، جب کہ اس کے برعکس غریب گھر کا لڑکا اپنا مہینہ دس ہزار میں گزارتا تھا تو اسے اس ماہ بیس ہزار روپے ملے اس لیے خرچ کے لحاظ سے اس کا مہینہ بہت آسان گزرے گا، حالانکہ اس کے روپے امیر لڑکے سے کم ہیں۔

اب اسی مثال کی طرز کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے ساتھ کیا یعنی محمد ﷺ کو ایسے وقت میں مبعوث کیا کہ جب جاہلیت، کم علمی، ضد، بے دینی، کفر، شرک، فضول رسم و رواج، بداخلاقی اور ریاکاری وغیرہ عام تھی دین کے کام میں افرادی قوت اور پیسے کی ضرورت پڑتی ہے مگر نبی اکرم ﷺ کو ایک لمبے عرصے تک دونوں چیزوں کی کمی رہی۔ تیرہ سالوں میں دین چار افراد سے ترقی کر کے ڈیڑھ سو تک پہنچا۔ یہودی، منافقین مدینہ اور مشرکین مکہ سمیت تمام قبائل نبی اکرم ﷺ اور دین اسلام کے سخت خلاف تھے۔یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ اور ان کے اصحاب کو کم وسائل اور سخت ماحول و آزمائش میں رکھا، جب کہ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے

نبی اکرم ﷺ کی آنے والی باقی امت کو اتنی زیادہ سختی و آزمائش میں نہ رکھا۔ یعنی آج ہمارے پاس افرادی قوت، عسکری طاقت، ذاتی حکومتیں، مال و دولت سمیت تقریباً ہر چیز کی فراوانی ہے۔ اس کے باوجود بھی آج ہم دین اسلام کی تبلیغ کے معاملے میں انتہائی ناکام ثابت ہو رہے ہیں، کیونکہ ہم ایمان و تقویٰ کے معاملے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت پیچھے ہیں۔ اب آج کا مسلمان خود سوچے کہ اگر معاملے اس کے برعکس ہوتا یعنی نبی اکرم ﷺ اور ان کے اصحاب کے لیے سختی اور آزمائش کم ہوتی اور ہمارے لیے زیادہ، ان کے پاس ہر قسم کے وسائل کی فراوانی ہوتی اور ہمارے پاس ہر چیز کی کمی جس طرح میں نے مثال میں بیان کیا ہے تو پھر ہمارا کیا حال ہوتا؟

اور دوسری بات یہ بھی ذہن میں آتی ہے کہ اگر نبی اکرم ﷺ آج کے دور میں مبعوث ہوتے تو وہ لوگ جو پچھلے چودہ سو سالوں میں گزر چکے ہیں ان کا کیا بنتا یعنی وہ تمام کے تمام لوگ کفر و شرک پر ہی مرتے۔ پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو لوگ آج سے چودہ سو سالوں بعد پیدا ہوں وہ بھی یہی کہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو آج کے دور میں پیدا ہونا چاہیے تھا۔ باقی رہ گیا کہ رسول اکرم ﷺ کے اقوال و افعال کا بہتر طور پر محفوظ ہونا تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ صرف محفوظ نہیں بلکہ بہتر طور پر اور معززانہ طریقے پر محفوظ ہیں۔ اس طرح ان باتوں پر غور و تدبر کے بعد میرا دین اسلام سے یہ خود ساختہ شک بھی ختم ہو گیا۔

⑫ جنات کے متعلق:

دین اسلام پر حالت گمراہی میں میرا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ میری عقل جنات وغیرہ کو تسلیم نہیں کرتی تھی، جب کہ قرآن مجید میں ان کا ذکر ملتا ہے۔ جنات کے متعلق میں نے بعض لوگوں سے بھی سن رکھا تھا کہ یہ موجود ہیں مگر ان کے دلائل

کمزور ہوتے تھے، اس لیے میں ان کی بات کونظر انداز کر دیتا تھا۔ حالانکہ ''جن'' لفظ کے معانی میں ہی اس اعتراض کا جواب موجود تھا، یعنی ایسی مخلوق جو انسان سے چھپی ہوئی ہو، پوشیدہ ہو اور جسے انسان اپنی آنکھ سے نہ دیکھ سکتا ہو۔ البتہ اس وقت مجھے اس کا علم نہ تھا۔ وقت اسی طرح گزر رہا تھا۔

اسی دوران ایکسپریس نیوز نے ایک پروگرام شروع کیا جس کا نام تھا ''وہ کیا ہے؟'' یہ پروگرام جنات وغیرہ ہی کے متعلق تھا۔ میں نے تقریباً پانچ، سات سال تک یہ پروگرام نہ دیکھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے اس پروگرام کے متعلق یہ سوچ اختیار کر لی تھی کہ اس پروگرام کی ٹیم کو یہ اطلاع ملتی ہو گی کہ فلاں جگہ کی فلاں عمارت میں جن ہیں۔ یہ ٹیم اپنے مخصوص آلات کے ساتھ اس عمارت میں جاتی ہو گی اور اپنے پورے پروگرام میں جنات کی تلاش کرتی ہو گی۔ اور آخر میں یہ ٹیم یہ بات کہہ کر پروگرام کو ختم کر دیتی ہو گی کہ اس عمارت میں ایسی کوئی چیز موجود نہیں۔ یہ سوچ ہونے کی وجہ سے میں اس پروگرام کو نہ دیکھتا۔

ایک دن میں چینل تبدیل کر رہا تھا کہ ایکسپریس نیوز پر وہی پروگرام چل رہا تھا اور اس وقت پروگرام میں بہت شور شرابہ تھا۔ میں نے پروگرام کی طرف کچھ توجہ کی تو میں حیران رہ گیا کہ پروگرام میں ایک ایسی چیز کی آواز سنائی جا رہی تھی جو کہ نظر نہ آ رہی تھی اور پروگرام ٹیم کے تمام آلات بھی کسی چیز کی موجودگی کی اطلاع دے رہے تھے۔ یہ چیز دیکھنے کے بعد میں نے اپنی رائے کو تبدیل کیا اور اس پروگرام کو دیکھنا شروع کر دیا۔ اس پروگرام سے مجھے جن اور بھوت وغیرہ کے متعلق کافی معلومات ملیں۔ پھر ایک دن تو اس پروگرام کی ٹیم نے کسی مادہ جن یا بھوت کی ایک ویڈیو دکھائی جس میں کہ وہ چل رہی تھی۔ یہ ویڈیو دیکھنے کے بعد میں نے قرآن مجید کی جنات

والی آیات کو بھی عقلی طور پر قبول کر لیا۔ اب اگر کسی شخص کو اس معاملے میں کوئی شک ہو تو میں اس سے یہی پروگرام ''وہ کیا ہے؟'' دیکھنے کا کہوں گا۔ اس طرح دین اسلام سے میرا یہ اعتراض اور شک بھی ختم ہو گیا۔

دین اسلام پر عمل نہ کرنے کی وجوہات

ان تمام اعتراضات کے جوابات ملنے کے بعد میری عقل اور دین اسلام کے درمیان جاری جنگ ختم ہو گئی۔ اس جنگ میں دین اسلام کو واضح فتح اور میری عقل کو واضح مگر فائدے مند شکست ہوئی۔ اس سے میرے ایمان کی کافی حد تک اصلاح ہو گئی مگر پھر بھی نہ تو میں دین اسلام کے فرائض و واجبات پر عمل کرتا تھا اور نہ ہی کبیرہ گناہوں سے بچتا تھا۔ اب میں اپنی سستی کی وجہ سے اپنے نفس کی اطاعت میں مصروف تھا۔ اس کے لیے میرے نفس نے مجھ چند ناحق عقلی دلائل دے رکھے تھے۔ وہ عقلی دلائل کیا تھے یا میرے اندر کون سی سستی پائی جاتی تھی جن کی وجہ سے میں دین اسلام پر عمل نہ کر سکا، ان تمام وجوہات کو میں مختصر طور پر درج کر رہا ہوں۔

① اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے، معاف کر دے گا:

ان وجوہات میں سے سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ میں سوچتا تھا کہ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے اس لیے وہ مجھ سمیت تمام گناہ گاروں کو بخش دے گا یا کم از کم مجھے تو ضرور معاف کر دے گا۔ لیکن اس معاملے میں میرے ذہن میں کبھی کبھی مختلف قسم کے خیالات آتے رہتے تھے، مثلاً اللہ تعالیٰ کی نظر میں اس دنیا کی قیمت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں مگر پھر بھی اس نے چور، قاتل اور زانی وغیرہ کے لیے سخت سزائیں تجویز کر رکھی ہیں، حالانکہ وہ غفور و رحیم بھی ہے۔ تو کیا آخرت جو کہ دنیا کی نسبت بہت

اعلیٰ چیز ہے وہاں وہ سب مجرموں اور سب متقیوں کو برابر کر دے گا؟ اور اگر اللہ تعالیٰ نے سب کو برابر کرنا ہوتا تو یہ قرآن، اس کی حفاظت، اس کے احکامات، اس کی تبلیغ اور مختلف پیغمبروں کو مبعوث کرنے کا کیا مقصد تھا؟ اس قسم کے خیالات جب کبھی بھی آتے تو میں اپنے گناہوں کی وجہ سے پریشان ہو جاتا اور یہ محسوس کرتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کسی قاعدے و قانون کے تحت رکھی ہو گی اور کچھ خاص بندوں اور کچھ مخصوص قسم کے اعمال کرنے والوں کے لیے ہی رکھی ہو گی۔

پھر جب میں نے حالتِ ہدایت پر آنے کے بعد قرآن مجید کا مطالعہ کیا تو میں یہ جان گیا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت خاص آخرت میں کن لوگوں کو ملے گی، جو کہ درج ذیل آیات سے پتا چلتا ہے:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

- ''میں اپنا عذاب اسی پر واقع کرتا ہوں جس پر چاہتا ہوں اور میری رحمت تمام اشیا پر محیط ہے اور اسے میں ان لوگوں کے حق میں لکھوں گا جو نافرمانی سے پرہیز کریں گے، زکات دیں گے اور میری آیات پر ایمان لائیں گے۔'' [الأعراف: ١٥٦]
- ''مومن مرد و عورت آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، وہ بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں، نمازوں کو پابندی سے بجا لاتے ہیں، زکات ادا کرتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کی بات مانتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ بہت جلد رحم فرمائے گا، بے شک اللہ غلبے والا حکمت والا ہے۔'' [التوبة: ٧١]
- ''اور دنیا میں اس کے بعد کہ اس کی درستی کر دی گئی ہے فساد مت پھیلاؤ، اور تم

اللہ کی عبادت کرو اس سے ڈرتے ہوئے اور امیدوار رہتے ہوئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک کام کرنے والوں کے نزدیک ہے۔''[الأعراف: ٥٦]

- ''ہاں بے شک میں انھیں بخش دینے والا ہوں، جو توبہ کریں، ایمان لائیں، نیک عمل کریں اور راہِ راست پر بھی رہیں۔''[طٰهٰ: ٨٢]

یہ اور اس جیسی مزید آیات نے نہ صرف مجھے مستقل طور پر نیک اعمال کی طرف بڑھنے میں مدد کی بلکہ میں یہ بھی جان گیا کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت آخرت میں جیسے چاہے عطا فرما سکتا ہے خواہ کوئی شخص کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو، مگر اس نے اپنی رحمت کو آخرت میں نیک و متقی لوگوں کے لیے ہی خاص کر رکھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے ذریعے ہمیں یہی قاعدہ و قانون بتایا ہے، جیسا کہ ان آیات سے ثابت ہے۔ (واللہ اعلم)

② شفاعت کا عقیدہ:

دین اسلام کو عقلی طور پر قبول کرنے کے بعد میری نیک اعمال کی طرف رغبت نہ کرنے کی دوسری بڑی وجہ شفاعت کا عقیدہ تھا میں یہ سمجھتا تھا کہ جس شخص نے بھی کلمہ پڑھ لیا وہ کوئی نیک عمل نہ بھی کرے اور نہ ہی گناہوں سے بچے تو پھر بھی محمد ﷺ اس شخص کی شفاعت کر کے اسے معاف کروا دیں گے لیکن پھر جب میں نے قرآن مجید کو ترجمہ کے ساتھ پڑھا تو میں نے محسوس کیا کہ شفاعت کا اختیار تو اللہ ہی کے پاس ہے اور اللہ تعالیٰ یہ اختیار خود اپنی مرضی سے جسے چاہے گا، جن شرائط پر چاہے گا اور جن لوگوں کے لیے شفاعت کرنے کو پسند فرمائے گا یا جس قاعدے و قانون کے تحت چاہے گا عطا فرمائے گا۔ ان باتوں کے دلائل مجھے درج ذیل قرآنی آیات سے ملے:

- ''اس دن سفارش کچھ کام نہ آئے گی مگر جسے رحمٰن حکم دے اور اس کی بات کو

پسند فرمائے۔''[طٰہٰ: ۱۰۹]

- ''وہ ان کے آگے پیچھے کے تمام امور سے واقف ہے، وہ کسی کی بھی سفارش نہیں کرتے، بجز ان کے جن سے اللہ خوش ہو، وہ تو خود ہیبتِ الٰہی سے لرزاں و ترساں ہیں۔''[الأنبیاء: ۲۸]

اس آیت کا درمیان والا حصہ کہ ''وہ کسی کی بھی سفارش نہیں کرتے، بجز ان کے جن سے اللہ خوش ہو۔'' نیک لوگوں کی طرف شفاعت کا اشارہ ہے:

- ''کہہ دیجیے کہ تمام سفارش کا مختار اللہ ہی ہے تمام آسمانوں اور زمین کا راج اسی کے لیے ہے۔تم سب اسی طرف پھیرے جاؤ گے۔''[الزمر: ٤٤]
- ''پس قربِ الٰہی حاصل کرنے کے لیے انھوں نے اللہ کے سوا جن جن کو اپنا معبود بنا رکھا تھا انھوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی؟ بلکہ وہ تو ان سے کھو گئے (دراصل) یہ ان کا محض جھوٹ اور بہتان تھا۔''[الاحقاف: ۲۸]
- ''اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں ہیں جن کی سفارش کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی مگر یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی خوشی اور چاہت سے جس کے لیے چاہے اجازت دے دے۔''[النجم: ۲٦]

اس آیت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سفارش اس وقت تک کوئی بھی فائدہ نہیں دے سکتی جب تک اللہ نہ چاہے۔

ترجمہ: ''لیکن ابراہیم کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ میں تمھارے لیے استغفار ضرور کروں گا اور تمھارے لیے مجھے اللہ کے سامنے کسی چیز کا کچھ بھی اختیار نہیں۔''[الممتحنة: ٤]

اس آیت میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ یہ بتا رہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جو کہ

خود نبی ہیں، خلیل اللہ ہیں اور بکثرت انبیاء کے باپ ہیں انھیں بھی یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنے سب سے قریبی، سب سے اہم و افضل اور سب سے محسن رشتے دار یعنی اپنے باپ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ اختیار رکھتے ہوں:

- ''اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے نوح علیہ السلام کی بیوی اور لوط علیہ السلام کی بیوی کی مثال بیان فرمائی یہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے گھر میں تھیں، پھر ان کی انھوں نے خیانت کی۔ پس وہ دونوں (نیک بندے) ان سے اللہ کے (کسی عذاب کو) نہ روک سکے اور حکم دے دیا گیا دوزخ میں جانے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی چلی جاؤ۔''

[التحریم: ۱۰]

- ''کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے صرف اس دعوے پر کہ ہم ایمان لائے ہیں، ہم انھیں بغیر آزمائے ہوئے ہی چھوڑ دیں گے۔''

[العنکبوت: ۲]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو یہ بتا رہے ہیں کہ صرف ایمان کا دعویٰ کرنا کچھ کام نہ آئے گا۔ آزمائش کا آنا یقینی ہے، اگرچہ وہ چھوٹی ہی ہو۔

ترجمہ: ''حقیقتِ حال نہ تو تمھاری آرزو کے مطابق ہے اور نہ اہلِ کتاب کی امیدوں پر موقوف، جو بُرا کرے گا اس کی سزا پائے گا اور کسی کو نہ پائے گا جو اس کی حمایت و مدد اللہ کے پاس کر سکے۔'' [النساء: ۱۲۳]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو بھی یہ پیغام دیا ہے کہ آخرت میں تمھاری آرزوں اور امیدوں کے لحاظ سے فیصلے نہ ہوں گے، بلکہ جو بھی بُرا کرے گا اس کی سزا پائے گا اور کوئی اس کی مدد و حمایت اللہ تعالیٰ

کے پاس نہ کر سکے گا:

ترجمہ: ’’اے ایمان والو! جو ہم نے تمھیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہو، اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں کہ نہ تجارت ہے، نہ دوستی اور نہ شفاعت۔ اور کافر ہی ظالم ہیں۔‘‘ [البقرۃ: ۲۵٤]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ بتایا ہے کہ آخرت میں کوئی شفاعت و دوستی نہ ہو گی:

ترجمہ: ’’تمھیں دوزخ میں کس چیز نے ڈالا، وہ جواب دیں گے ہم نمازی نہ تھے، نہ مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے اور ہم بحث کرنے والے کا ساتھ دے کر مباحثہ میں مشغول رہا کرتے تھے اور روز جزا کو جھٹلاتے تھے، یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی۔ پس انھیں سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی۔‘‘ [المدثر: ٤٢۔٤٨]

پیچھے درج کی گئی ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ اطلاع دی ہے کہ خالی ایمان کا دعویٰ کرنا برے اعمال سے نہ بچنا یا نیک عمل نہ کرنا وغیرہ یہ ایسی باتیں ہیں کہ ان کی وجہ سے کوئی آخرت میں تمھاری سفارش نہ کرے گا اور اگر کسی نے کی بھی تو وہ رد کر دی جائے گی، ان آیات میں وہ بات جس کی طرف میں لوگوں کی توجہ کروانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز نہ پڑھنے والوں کو اسی گروہ میں شامل کیا ہے جنھیں سفارش کرنے والوں کی سفارش کچھ فائدہ نہ دے گی۔

شفاعت کیا ہے، اس کی کتنی اقسام ہیں اور وہ کون لوگ ہیں جنھیں شفاعت ملے گی، ان باتوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے شفاعت کی پانچ اقسام بیان کی ہیں:

① وہ شفاعت جو خاص ہمارے پیغمبر کے لیے ہے اور وہ تسکین دلوانا ہے میدان حشر کے ہول سے اور حساب کتاب کو جلدی شروع کروا دینا ہے۔

② بعض لوگوں کو بغیر حساب و کتاب کے جنت میں لے جانا یہ بھی ہمارے پیغمبر کے لیے ہے۔

③ شفاعت ان لوگوں کے لیے جو مستحق ہوں گے جہنم کے۔ ان کی شفاعت ہمارے نبی اکرم ﷺ اور دوسرے نیک لوگ بھی کریں گے۔

④ شفاعت ان لوگوں کی جو جہنم میں جا چکے ہوں گے گناہگاروں میں سے ان کا نکالا جانا ہمارے نبی اکرم ﷺ، فرشتوں اور مومنین کی شفاعت سے ثابت ہے۔

⑤ وہ شفاعت جو جنت میں درجے بڑھانے کے لیے ہوگی۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان شرح امام نووی)

یہ تو تھیں شفاعت کی اقسام۔ اب میں ایک حدیث درج کر رہا ہوں جس سے یہ معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے قاعدے و قانون کے مطابق وہ کون لوگ ہوں گے کہ جنھیں رسول اکرم ﷺ کی شفاعت نہ ملے گی:

> روایت ہے: ''عوف رضی اللہ عنہ سے کہا کہ فرمایا: رسولِ خدا ﷺ نے کہ ایک آنے والا میرے پاس آیا میرے رب کی طرف سے تو اس نے مجھے اختیار دیا کہ آپ اپنی نصف امت جنت میں داخل کر لیں یا شفاعت کا حق لے لیں۔ میں نے شفاعت کو اختیار کیا۔ وہ شفاعت اس شخص کے لیے ہے جو اس حالت میں فوت ہوا ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو۔'' (صحیح مسلم، جامع ترمذی: 2441)

یہ حدیث دلیل ہے کہ کسی مشرک کی شفاعت قیامت کے دن نہ ہوگی اور

عجیب بات یہ ہے کہ آج کوئی بھی مسلمان اپنے آپ کو مشرک نہیں سمجھتا جب کہ حقیقت میں آج مسلمانوں کی تقریباً 70 فیصد تعداد کسی نہ کسی قسم کے چھوٹے یا بڑے شرک میں مبتلا ہے۔ شرک کیا ہوتا ہے یہ جاننے کے لیے میں نے چند صفحات آگے ایک عنوان دیا ہے جس کا نام ہے: ''شرک کیا ہے؟'' اسے غور سے پڑھیں پھر یہ جاننے کی کوشش کریں کہ کیا آپ کو شفاعت مل سکتی ہے یا نہیں؟

اور دوسری بات یہ ہے کہ فرض کرو کہ کسی شخص کو اس دنیا میں ہی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ جب آخرت میں اس کا حساب کتاب ہو رہا ہو گا تو آپ ﷺ اس کی شفاعت کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ شفاعت کو منظور کر کے اس شخص کو جنت میں داخل فرما دے گا۔ اب یہ معلومات حاصل ہونے کے بعد وہ شخص دین کی پیروی بہت ہی کم کر دیتا ہے یعنی نہ تو وہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتا ہے اور نہ ہی دین کے فرائض و واجبات پر عمل کرتا ہے تو اس شخص کو شفاعت کے حاصل ہونے کے باوجود بہت سا عذاب جھیلنا پڑے گا۔

سب سے پہلے تو یہ دنیاوی زندگی ہی اس کے لیے پرسکون نہ ہو گی۔ اس کے بعد ایک لمبی مدت تک عذابِ قبر جھیلنا ہو گا۔ اس کے بعد قیامت کا دن جو کہ بہت لمبا ہے اس کی ہولناکیاں جھیلنا ہوں گی۔ اس کے بعد شفاعت کا معاملہ ہے، جب کہ اس کے برعکس ایک ایسا شخص جو دین پر عمل کرنے والا تھا، متقی تھا اس کی دنیاوی زندگی بھی پرسکون اور خوشگوار ہو گی، قبر کے عذاب سے بھی محفوظ رہے گا، قیامت کی ہولناکیوں سے بھی بچا رہے گا اور اگر شفاعت کی ضرورت پڑی تو وہ بھی جلد مل جائے گی۔

شفاعت کے متعلق اگر قرآن و حدیث کا جائزہ لیا جائے تو قرآن سے تو درست عقائد نہ رکھنے والوں یا دین کے فرائض و واجبات پر عمل نہ کرنے والوں کی

شفاعت کی کوئی بھی واضح دلیل نہیں ملتی۔ البتہ بعض حدیثوں سے صرف کلمہ پڑھ لینے یا قانونی مسلمان رہنے کی وجہ سے بھی بخشش یا شفاعت کی دلیل ملتی ہے لیکن اگر ان تمام حدیثوں کو ایک جگہ اکٹھا کر لیا جائے تو اس سے درج ذیل باتوں کا امکان ظاہر ہوتا ہے:

① صرف کلمہ پڑھنے پر بخشش وغیرہ کا ملنا مخصوص ادوار کے لیے ہے، ان میں سے ایک دور تو خود نبی اکرم ﷺ کا دور تھا جب کلمہ کا اقرار کرنا ہی سب سے مشکل کام تھا اور دوسرا دور قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کے کافی عرصے بعد ہے جب قرآن و حدیث سمیت دین اسلام کا تمام علم ختم ہو جائے گا صرف کلمہ باقی رہ جائے گا جس کے متعلق لوگ یہ کہیں گے کہ یہ ہم نے اپنے آبا و اجداد سے سنا تھا۔ (بخاری: 7066)

② صرف کلمہ پڑھنے پر بخشش کی خبر تمام مسلمانوں کے لیے اجتماعی طور پر نہیں بلکہ بعض مسلمانوں کے ساتھ انفرادی طور پر یہ معاملہ ہوگا اور اس کی وجہ یہ ہوگی کہ بعض لوگوں کو کلمہ پڑھنے کے بعد نماز پڑھنے یا دوسرے نیک کام کرنے کا موقع ہی نہ ملا اور ان کی موت واقع ہوگئی، یعنی ایسے لوگوں کی تعداد بہت ہی کم ہوگی۔

③ تمام مسلمانوں کی شفاعت صرف کلمہ پڑھنے کی وجہ سے اس وقت ہوگی جب وہ جہنم میں اپنے گناہوں کی مکمل سزا پا چکے ہوں گے۔

البتہ ساری بحث و تکرار کے بعد میں اس معاملے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ عقیدہ شفاعت ہو یا کوئی بھی ایسے عقائد کہ جن کی وجہ سے تقویٰ ختم ہو جائے، کبیرہ گناہوں کی طرف رغبت اور فرائض و واجبات میں سستی پیدا ہو جائے تو سمجھ لیں کہ ایسے عقائد علمی و عقلی لحاظ سے غلط ہیں اور شیطان کی پیداوار ہیں۔ واللہ أعلم

عقیدۂ شفاعت کے متعلق اس قسم کی علمی معلومات حاصل ہونے کے بعد میں نے دین اسلام پر عمل کرنے کی طرف کچھ رغبت اختیار کی۔

نوٹ: شفاعت ایک تو مشرک کی نہ ہوگی اور دوسرا اس شخص کی بھی نہ ہوگی جو کہ شفاعت کا عقیدہ نہ رکھتا ہو۔ یہ دونوں باتیں احادیث سے ثابت ہیں۔

③ دین اسلام کا مختلف مسالک میں تقسیم ہونا:

دین اسلام کو عقلی طور پر قبول کرنے کے بعد اس پر عمل نہ کرنے کی میری تیسری بڑی وجہ اس دین میں پائے جانے والے مختلف فرقے و مسالک تھے۔ میں سوچتا تھا کہ اگر میں دین اسلام پر عمل کروں اور آخرت میں میرا فرقہ ہی درست نہ نکلا تو میرے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے اور دنیا میں عملی مشقت کرنے کے باوجود جہنم میں بھی جاؤں گا۔ اور میں خود کو اس وقت تک اس قابل نہ سمجھتا تھا کہ میں مسالک پر تحقیق کر کے جو صحیح مسلک ہے اسے اختیار کر لوں، لیکن ان باتوں کے باوجود پہلے میں نے نماز پڑھنا شروع کی جس کی وجہ سے مجھے صبح و شام کے وقت مطالعہ و تحقیق کا زیادہ وقت ملا۔

اسی دوران میں نے قرآن مجید کو بغور ترجمے کے ساتھ پڑھا۔ اس کے بعد میں نے بخاری شریف جو کہ احادیث کی سب سے معتبر کتاب ہے اس کا مطالعہ کیا اور جب میں بخاری شریف کے نماز والے باب پر پہنچا تو میں نے محسوس کیا کہ میرا مسلک درست نہیں۔ اس کے بعد میں نے مسالک پر تحقیق کی اور اپنے فرقے کو تبدیل کر کے درست فرقے کا انتخاب کیا، اور میں نے مسالک کی تحقیق کو بہت آسان کام پایا۔ اس کے بعد میں نے عام لوگوں کی راہنمائی کے لیے 72 صفحات پر مشتمل ایک مختصر سی کتاب لکھی، اس کا نام ''مسالک کی تحقیق 70 منٹ میں'' ہے اور نیٹ پر اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے لیے نیچے درج ایڈریس پر جائیں:

یہ کتاب مسالک پر تحقیق کے معاملے میں بہت مددگار ثابت ہوگی۔ اس کتاب میں ان پڑھ شخص کیسے تحقیق کرے اس کا بھی طریقہ کار موجود ہے، اس کتاب کا مطالعہ ایک عام آدمی صرف تین گھنٹوں میں کر لے گا، لہٰذا اس بات میں مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے میری اس کتاب کی طرف رجوع کریں۔

④ قضاء نماز:

دین اسلام سے عملی طور پر دور رہنے کی میری ایک وجہ یہ تھی کہ میں نے کچھ دین دار لوگوں سے یہ سن رکھا تھا کہ جس شخص کی ایک نماز قضا ہو جائے تو اس کی سزا پچاس ہزار سال جہنم میں جلنا ہے تو میں سوچتا کہ ہفتہ بیس دن میں مجھ سے کوئی نہ کوئی فجر کی نماز تو قضا ہو جایا کرے گی، اس طرح نماز پڑھنے کے باوجود بھی مجھے دوزخ میں جانا پڑے گا اور اگر ایسا ہے تو بہتر ہے کہ نماز نہ پڑھ کر ہی دوزخ میں جایا جائے کیونکہ میں محسوس کرتا تھا کہ قضا نماز کے گناہ سے میں بچ نہیں سکتا، لیکن جب میرے پاس قضا نماز کے متعلق کچھ علم آیا تو میں نے دین اسلام کو اس معاملے میں کافی نرم پایا۔

پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ قضا نماز وہ ہوتی ہے جو کہ آدمی جان بوجھ کر بغیر کسی شرعی عذر کے کرے، اسی طرح اگر کسی شخص کی صبح کے وقت آنکھ نہ کھلی اور سورج نکل آیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور اگر آدمی حالتِ سفر میں ہے اور اسے کوئی مجبوری یا مشکل ہے تو ایسی حالت میں بھی کوئی گناہ نہیں بلکہ دین اسلام میں نماز کے معاملے میں یہاں تک نرمی وسہولت موجود ہے کہ بغیر کسی عذر کے اپنی آسانی کے لیے کبھی کبھار آپ ظہر وعصر دونوں نمازوں اور مغرب وعشا دونوں نمازوں کو اکٹھا کر کے پڑھ سکتے ہیں۔ مزید یہ کہ آپ اپنی آسانی کے لیے چاہیں تو آگے والی نمازوں کو پیچھے

والی نمازوں کے ساتھ ملا کر پڑھ لیں۔ یا پیچھے والی نمازوں کو آگے والی نمازوں کے ساتھ ملا کر پڑھ لیں، اس کے علاوہ طہارت، وضو، سنتوں اور روزوں سمیت باقی عبادات میں بھی اسلام میں بہت سی آسانیاں پائی جاتی ہیں۔ اس کے لیے آپ محمد عظیم حاصل پوری کی کتاب ''اسلام اور آسانیاں'' سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

ان سب باتوں سے میں نے یہ بات اخذ کی ہے کہ ایک ایسا شخص جو دین پر عمل نہ کرتا ہو یا جس نے نیا نیا عمل کرنا شروع کیا ہو تو اسے دین کی آسانیوں کے بارے میں بتانا چاہیے تاکہ وہ ان آسانیوں سے فائدہ اٹھا سکے اور دین کی طرف مزید رغبت اختیار کرے۔ اگر مجھ تک وہ بات کہ جس پر تقریباً کوئی بھی شخص عمل نہیں کر سکتا کہ ''جس کی ایک نماز قضا ہو جائے اسے پچاس ہزار سال دوزخ میں جلنا ہوگا۔'' اگر یہ بات مجھ تک نہ پہنچی ہوتی اور اس کے برعکس دین اسلام کی آسانیوں کا پتا ہوتا تو میں بہت پہلے نماز شروع کر چکا ہوتا۔

⑤ بے دینی ماحول:

دین اسلام کو عقلی طور پر قبول کرنے کے بعد اس پر عمل نہ کرنے کی میری ایک وجہ میرا ماحول تھا۔ میرے گلی محلے کے تقریباً پچاسی فیصد لوگ دین پر عمل نہ کرتے تھے اور جو پندرہ فیصد عمل کرتے تھے وہ تقریباً آٹھ، دس اعمال کی حد تک کرتے تھے۔ اب جس طرح ہر شخص کچھ نہ کچھ ماحول کا اثر قبول کرتا ہے اسی طرح میں بھی ماحول کا اثر قبول کر رہا تھا اور بے عملی میں زندگی گزار رہا تھا لیکن جب میں نے دین پر عمل کرنا شروع کیا تو اس کے بعد یہ ماحول کسی بھی معاملے میں مجھ پر اثر انداز نہ ہو سکا۔

⑥ اپنی سستی:

دین پر عمل نہ کرنے کی میری ایک وجہ اپنی طبیعت میں پائی جانے والی سستی

تھی۔ جب میں نے نماز پڑھنے کا پکا ارادہ کرلیا تب بھی اسی سستی کی وجہ سے میں نے نماز پڑھنے میں دو ماہ کی مزید تاخیر کر دی اور جب پڑھنی شروع کی تو اس میں بھی ایک دوست کی تبلیغ شامل تھی۔ البتہ جب میں نے نماز پڑھنی شروع کی تو اس کے بعد میں نے اس معاملے میں اپنے اندر کبھی سستی نہ پائی، سوائے ان آسانیوں کے جو قرآن و حدیث سے ثابت ہیں۔

⑦ کپڑوں کو پاک رکھنا:

دین اسلام پر عمل نہ کرنے کی اسی طرح کی ایک چھوٹی سی وجہ یہ تھی کہ میں اپنے کپڑوں کو پاک رکھنا مشکل خیال کرتا تھا اور اگر کپڑے پاک نہ ہوں تو نماز نہیں پڑھی جا سکتی لیکن جب میں نے نماز پڑھنی شروع کی تو میں نے اس کام کو بھی آسان پایا۔ مجھے تقریباً سال میں پانچ، چھ بار ہی کپڑوں پر گندے چھینٹے گرنے کی وجہ سے انھیں تبدیل کرنا پڑتا ہے۔ مزید یہ کہ دین اسلام نے ان معاملات میں بھی کافی آسانیاں مہیا کر رکھی ہیں۔

⑧ موسم کی سختی:

دین پر عمل نہ کرنے کی ایک وجہ موسم تھا، یعنی سخت سردی وضو و غسل کے عمل کو مشکل کر کے نماز کے لیے رکاوٹ بن جاتی تھی اور سخت گرمی روزوں کو مشکل کر دیتی تھی، اسی لیے جب میں نے دین اسلام پر عمل شروع کیا تو جب پہلا رمضان کا مہینہ آیا تو میں اس وقت بہت پریشان ہوا۔ کیونکہ ایک تو رمضان کا وہ مہینہ سخت گرمی میں آرہا تھا اور دوسرا یہ کہ ان سالوں میں مجھے پیاس بہت لگتی تھی۔ اس لیے میں پریشان ہوکر یہ سوچتا کہ مجھ سے یہ روزے نہ رکھے جائیں گے۔

اس ماہ رمضان کے شروع ہونے سے ایک دن پہلے جب میں ظہر کی نماز

پڑھنے کے لیے مسجد جانے لگا تو مجھے سخت پیاس لگی ہوئی تھی میں نے تقریباً چار گلاس ٹھنڈے پانی کے گھر سے پیے اور نماز کے لیے چلا گیا۔ وہاں میں نے ظہر کی نماز ادا کی اور چار ایکڑ کے فاصلے پر واقع اپنے ایک دوست کی دکان پر چلا گیا۔ جب میں اس کی دکان پر پہنچا تو اس وقت مجھے پھر سخت پیاس لگی ہوئی تھی میں نے اپنے دوست سے ٹھنڈا پانی مانگا اور تین گلاس پھر پیے۔ پہلے پانی پینے اور اس پانی پینے کے درمیان صرف ایک گھنٹہ کا فرق تھا۔ اپنی پیاس میں اتنی شدت پا کر میں مزید پریشان ہو گیا۔ میں نے اپنے دوست کو صورتِ حال سے آگاہ کرنے کے بعد سوال کیا کہ صبح روزہ ہے اتنی گرمی میں لوگ کیسے روزے رکھ سکتے ہیں؟ میرے دوست نے کہا کہ بس اللہ تعالیٰ صبر عطا کر دیتا ہے، بات تو اس کی سو فیصد درست تھی، مگر یہ بات کہتے وقت اس کے چہرے پر غیر اعتمادی کے واضح اثرات موجود تھے، ان اثرات کو دیکھ کر میری پریشانی میں مزید اضافہ ہو گیا۔

میرا ایک ذہن دوسرے ذہن سے سوال کرنے لگا۔ اب کیا ہو گا؟ میں ایک گھنٹے کی پیاس برداشت نہیں کر سکتا پندرہ گھنٹوں کی پیاس کیسے برداشت کروں گا؟ وغیرہ وغیرہ۔ ایک دو منٹ کی خاموشی کے بعد میرے مثبت ذہن نے جذباتی انداز میں یہ عقلی جوابات دیئے کہ کچھ بھی ہو جائے روزے رکھنے کی وجہ سے تمھاری موت واقع نہیں ہو جائے گی۔ بے شمار لوگ ایسے ہیں جو روزہ بھی رکھتے ہیں اور سخت مزدوری بھی کرتے ہیں اور تمھیں تو کوئی مزدوری بھی نہیں کرنی۔ مزید یہ کہ اگر پیاس یا گرمی زیادہ محسوس ہو تو دو، چار بار نہا لینا۔ اس قسم کے جوابات پا کر میں نے اطمینان محسوس کیا اور پھر جب اگلے دن میں نے روزہ رکھا تو اسے اتنا مشکل نہ پایا جتنا سمجھتا تھا۔

اسی طرح کا معاملہ وضو کے بارے میں بھی ہو چکا تھا یعنی سردی میں وضو کرنے کے بارے میں کچھ تو دین کی طرف سے آسانیاں ملیں جیسے جرابوں اور

موزوں پر مسح کرنا ایک وضو سے ایک سے زائد نمازوں کا پڑھنا وغیرہ مزید یہ کہ آدمی اگر ٹھنڈے پانی سے وضو نہیں کر سکتا تو گرم پانی سے کر لے، کیونکہ سخت سردی کے دو مہینے ہی ہوتے ہیں اور وہ بھی تین نمازوں فجر، مغرب اور عشاء میں زیادہ سردی محسوس ہوتی ہے۔ البتہ دین پر عمل کرنے کے بعد نہ تو میں نے سردی کی وضو میں کوئی تنگی محسوس کی اور نہ ہی گرمی کے روزوں میں۔

⑨ آمدن کی کمی کا خوف:

جب میں نے نماز پڑھنی شروع کی تو اس وقت میرے دل میں ایک ہلکا سا اندیشہ یہ بھی پیدا ہوا کہ نماز پڑھنے کی وجہ سے میری آمدن جو کہ پہلے ہی بہت کم ہے اس میں مزید کمی واقع ہو جائے گی، کیونکہ میں کوئی ملازم نہیں دکان دار ہوں۔ یہ اندیشہ اول تو مجھے اپنی طرف کوئی خاص متوجہ ہی نہ کر سکا، کیونکہ میرے اندر حالت گمراہی میں بھی لالچ نہ تھا اور دوسرا یہ کہ نماز کی اہمیت جاننے کے بعد میں یہ جان گیا تھا کہ آمدن میں کمی ہونا یا تنگدستی کی زندگی گزارنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا، کیونکہ یہ زندگی بہت ہی چھوٹی ہے اسے گزارنا کوئی مشکل نہیں۔

اسی طرح ان باتوں کی وجہ سے آمدن کی کمی کا جو ہلکا سا اندیشہ میرے ذہن میں آیا بھی تھا وہ بھی ختم ہو گیا۔ اس طرح یہ تمام وجوہات ختم ہو گئیں اور پھر میں ایک حقیقی باعمل مسلمان ہو گیا اور میری زندگی پرسکون ہو گئی۔

موجودہ حالات

میرے منفی اور مثبت ذہن کے درمیان ہونے والی وہ جنگ جو میری پانچ سال کی عمر میں شروع ہوئی تھی وہ آج بھی جاری ہے لیکن آج میرا مثبت ذہن مضبوط

ہونے کی وجہ سے میں منفی ذہن کے اعتراضات کے جوابات تک بہت جلد پہنچ جاتا ہوں۔ میرے منفی ذہن نے میری اس 40 سالہ زندگی میں قرآن و حدیث اور دین اسلام پر جتنے اعتراضات اٹھائے ہیں ان کی تعداد اس وقت 100 سے تجاوز کر چکی ہے اور میرے مثبت ذہن نے میرے منفی ذہن کے تقریباً ان تمام اعتراضات کے جوابات دیے ہیں۔

ہمارے ذہن میں منفی سوالات آنے کی بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ہمارے پاس قرآن و حدیث اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کا علم بہت کم ہوتا ہے، حالانکہ جو ہستی ایک نظر نہ آنے والے چھوٹے سے ذرے سے اتنی بڑی کائنات کو پیدا کر سکتی ہے وہ ہستی جو سورج کو ایک ایسا میٹریل مہیا کر سکتی ہے کہ جو کروڑوں سالوں سے جلنے کے باوجود نہ تو ختم ہو رہا ہے اور نہ ہی اس کی حرارت میں کمی و زیادتی واقع ہوتی ہے اور وہ ہستی جس نے ہماری زمین کو چار مختلف حرکات دے رکھی ہیں مگر نہ تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس حرکت کو کہاں سے طاقت مل رہی ہے اور نہ ہی کسی حرکت میں تقدیم و تاخیر واقع ہوتی ہے۔ کیا ایسی ہستی کے متعلق یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ اس کے لیے کوئی کام کرنا مشکل ہو سکتا ہے ''نہیں، بالکل نہیں'' آج فزکس نے انسان کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور دین پر عمل پیرا ہونے کے لیے مجبور کر دیا ہے۔

آج سائنس بھی دین اسلام کی تبلیغ کر رہی ہے اور اگر نظام کی بات کریں تو وہ بھی اسلامی نظام کی طرف ہی رواں دواں ہے۔ یعنی دین اسلام کو برتری حاصل ہے علمی لحاظ سے بھی اور عقلی لحاظ سے بھی۔ لیکن جس طرح یہ دین علمی و عقلی دلائل کے لحاظ سے تو بہت آگے ہے اسی طرح اس دین کے آج کے مقلدین عمل میں بہت ہی پیچھے ہیں اور اتنے پیچھے ہیں کہ اگر آپ کسی دین دار شخص سے ملیں اور اس کی باتیں

سنیں تو وہ نماز روزے کا بھی سخت پابند ہوگا اور دین اسلام کا مبلغ بھی ہوگا۔ مگر جب آپ اس شخص کا مکان دیکھیں گے تو وہ رسول اکرم ﷺ کے مکان سے بالکل متضاد ہوگا۔ مکان میں بہت زیادہ فضول خرچی کی گئی ہوگی۔ مکان دیکھ کر آپ یہ محسوس کریں گے کہ اس شخص کا آخرت پر ایمان نہ ہوگا اور جب الیکشن ہوتا ہے تو وہ شخص تمام دینی جماعتوں کو چھوڑ کر ایسی سیاسی جماعت کو ووٹ دیتا ہوگا جو اسلام کے نظام اور اس کے قوانین کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے، ایسی جماعت جس نے کئی قوانین دین کے قوانین کے خلاف بنائے ہوتے ہیں یا انھیں قائم رکھا ہوتا ہے۔ ایسی جماعت جو اس دین کے اجتماعی نظام کو ختم کرنا چاہتی ہو اور اس طرح ظاہری طور پر وہ دین دار نظر آنے والا شخص عملی طور پر دین کا ایک بڑا دشمن ہوتا ہے اور دین سے یہ دشمنی وہ صرف اس لیے کر رہا ہوتا ہے کہ اس کے کچھ دنیاوی مفادات ہوتے ہیں یا پھر ذاتی خواہش۔ شاید ایسے لوگوں کے لیے ہی علامہ اقبال رحمہ اللہ نے یہ شعر کہا ہے ؎

دل ہے مسلماں تیرا نہ میرا
تو بھی نمازی میں بھی نمازی

اسی بات کو دیکھ کر میں نے اپنی اس کتاب میں یہ بات درج کی ہے کہ کسی دین کے مقلدین کے عقائد و اعمال کی طرف دیکھ کر اس دین کے متعلق کوئی رائے قائم کرنا درست نہیں۔ کسی بھی دین کے متعلق صحیح رائے اسی وقت قائم ہوسکتی ہے جب آپ اس دین کی سب سے معتبر کتاب کو سنجیدگی سے پڑھیں۔

اس عنوان میں میری ان باتوں کو درج کرنے کا مقصد قارئین کو یہ بتانا تھا کہ موجودہ حالات میں بھی میرا منفی ذہن دین اسلام پر کوئی نہ کوئی اعتراض کرتا رہتا ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اب ان اعتراضات کا مجھے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ ان

اعتراضات کی وجہ سے میرے علم میں بہت اضافہ ہوتا ہے اور میرے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت میں بھی بہتری آتی ہے۔یعنی جو چیز حالت گمراہی میں میرے لیے نقصان کا باعث بن رہی تھی وہی چیز حالت ہدایت میں میرے لیے فائدے کا باعث بن رہی ہے اور دوسرا میں قارئین کو اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ اگر انھیں اس کتاب کی وجہ سے دین کی طرف کچھ رغبت ہو جائے تو وہ ایسے دین دار نہ بنیں کہ انفرادی طور پر تو بہت عبادت گزار اور دین کے مبلغ ہوں لیکن اجتماعی سطح پر اسلام اور اسلامی نظام کے دشمن ہوں۔ کیونکہ آج کے موجودہ حالات میں یہ گناہ دین اسلام کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا رہا ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اسلامی نظام کی مخالفت میں ووٹ دینے کے گناہ سے بچائے۔آمین

حصہ دوم:

مقدمہ نمبر 2

اس کتاب کا اصل مقدمہ تو میں نے اس کتاب کے شروع میں ہی درج کر دیا ہے اور اس مقدمہ کو یہاں درج کرنے کا میرا یہ مقصد ہے کہ قارئین کو کتاب کے اس حصے کی معلومات اس کے شروع میں ہی فراہم کی جائیں، تاکہ یاد دہانی میں آسانی پیدا ہو سکے۔

کتاب کے اس حصے میں مَیں نے دین اسلام کے حق ہونے کے متعلق کافی عقلی دلائل دیئے ہیں اور اس دین کے تقریباً تمام بڑے پہلوؤں پر کچھ نہ کچھ نئے عقلی دلائل دیئے ہیں مگر میں نے عقیدہ آخرت کے متعلق کوئی بھی دلیل نہ دی نہ تحریری اور نہ عقلی۔ اس کی تین وجوہات تھیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ میرے پاس عقیدہ آخرت کے صرف وہی دلائل ہیں جو کہ اکثر بڑے علمائے کرام بیان کرتے رہتے ہیں اور دوسری وجہ یہ تھی کہ یہ عقیدہ تقریباً ہر دین میں موجود ہے۔ اگر کسی دین سے عقیدہ آخرت نکال دیا جائے تو وہ دین دین ہی نہیں رہتا اور تیسری وجہ یہ کہ دین کی ایک چیز دوسری چیز سے لازمی طور پر آپس میں جڑی ہوتیں ہیں اور انھیں علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔

مثال کے طور پر اگر کوئی شخص قرآن مجید کو اللہ کا کلام تسلیم کر لے تو پھر قرآن مجید کی تعلیمات کی وجہ سے وہ آخرت کو بھی تسلیم کر لے گا اور محمد ﷺ کی رسالت کو بھی تسلیم کر لے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی وجہ سے محمد ﷺ کو پیغمبر تسلیم کر لے تو

وہ آخرت کو بھی تسلیم کر لے گا اور قرآن مجید کو بھی کلام اللہ تسلیم کر لے گا۔ میرا یہ تیسرا قول اہم بھی ہے، جامع بھی اور آخرت کی عقلی دلیل بھی۔ ان تین وجوہات کی بنا پر میں نے عقیدہ آخرت کے عقلی دلائل نہ دیے۔

کتاب کے اس حصے کے متعلق ایک اور ضروری بات جو میں کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جب آپ اس کے کسی عنوان کا مطالعہ کر رہے ہوں تو کم از کم اس عنوان کو پورا پڑھیں اسے درمیان میں چھوڑ کر مت جائیں اور جب آپ اس عنوان کو مکمل پڑھ لیں تو پھر کتاب سے توجہ ہٹا کر متعلقہ عنوان کے دلائل پر غور و تدبر کرتے ہوئے اپنی مضبوط رائے قائم کریں اس کے بعد اگلے عنوان کا مطالعہ کریں۔ اور دورانِ مطالعہ اس بات کو بھی سامنے رکھیں کہ صرف اخروی نہیں بلکہ دنیاوی زندگی کا سکون اور کامیابی بھی دین کو اپنانے میں ہی ہے۔

لہٰذا دورانِ مطالعہ ان باتوں کو ذہن میں رکھیں۔ والسلام

ذہنی غلامی سے نجات ضروری ہے

زیادہ تر لوگ اپنی کم علمی اور کم عقلی کی وجہ سے تقلیدی ذہن کے ہوتے ہیں۔ اپنی ذاتی رائے نہیں رکھتے، جس رخ کی ہوا چلے اسی رخ پر ان کی منزل ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کی تعداد اس وقت تقریباً 75 فیصد ہوگی اور اس کی دلیل اس بات سے ملتی ہے کہ آپ کسی بھی ملک میں پائے جانے والی سیاسی پارٹیوں پر غور کریں کسی ملک میں پانچ سیاسی پارٹیاں ہیں کسی میں دس اور کسی میں بیس لیکن ایک لمبے عرصے تک دو ہی پارٹیوں کے درمیان مقابلہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس وقت ہوا کا رخ دو ہی پارٹیوں کی طرف ہوتا ہے اور ان دونوں پارٹیوں کو ووٹ دینے والے لوگوں میں زیادہ تر لوگ تقلیدی ذہن کے ہوتے ہیں۔

اس تقلیدی سوچ کو ثابت کرنے کے لیے میں چار باتوں پر دلائل دوں گا جو کہ پوری دنیا میں اس وقت رائج ہیں، لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ باتیں غلط ہیں۔

ان میں سے پہلی بات جس پر میں دلائل دوں وہ ایک مشہور قول ہے: ''ہر کامیاب مرد کے پیچھے کسی عورت کا ہاتھ ہوتا ہے'' اس قول کو ہر باشعور سمجھے جانے والا طبقہ مثلاً میڈیا اینکرز، مصنف، شاعر اور فلاسفر وغیرہ اپنی بول چال میں کہاوت کے طور پر استعمال کرتے ہیں، جب کہ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے

کہ کامیابی کی تعریف ہی مختلف لوگوں کے نزدیک مختلف ہو گی اور اگر کامیابی کی کوئی ایک تعریف ہو بھی جائے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو عورت کسی عام مرد کو ایک کامیاب شخص بنا سکتی ہے وہ خود کوئی کامیاب عورت کیوں نہ بن سکی یا جس طرح ہر کامیاب مرد کے پیچھے کسی عورت کا ہاتھ ہوتا ہے کیا اسی طرح ہر نا کام مرد کے پیچھے بھی کسی عورت ہی کا ہاتھ ہوتا ہے؟ اس کے علاوہ اگر کسی بھی معاملے میں عورتوں اور مردوں کا آپس میں مقابلہ کیا جائے تو ہر اچھے اور برے کام میں مرد ہی اول پوزیشن پر رہیں گے عورتوں سے۔ ہاں البتہ لڑکیاں سکول و کالج کے امتحانات میں لڑکوں کی نسبت اچھے نمبر لے سکتی ہیں جب کہ امتحانات میں اچھے نمبر حاصل کرنے والے اکثر عملی زندگی میں مجموعی طور اچھی کارکردگی پیش کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ عورتیں مردوں سے ہر معاملے میں پیچھے نہیں رہتی، بلکہ بہت زیادہ پیچھے رہتی ہیں اس کے لیے مزید دلائل پیش کر رہا ہوں۔

دنیا کے مختلف شعبوں کا جائزہ لے کر اگر آپ کوئی لسٹ تیار کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ دنیا کے دس اچھے سائنس دان، دس اچھے فلاسفر، دس اچھے لیڈر، دس اچھے مصنف، دس اچھے شاعر، دس اچھے میڈیا اینکرز، دس اچھے کمانڈوز، دس اچھے وزیراعظم اور دس اچھے ڈاکٹر وغیرہ سب کے سب مرد ہی ہوں گے۔ ان میں عورتوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہو گی۔ یہاں تک کہ وہ کام جو صرف اور صرف عورتیں ہی کرتی رہی ہیں جیسے کہ کھانا پکانا ایسے کاموں میں بھی اگر آپ دس اچھے باورچیوں کے نام نکالیں گے تو وہ بھی مرد ہی ہوں گے۔ یہ تمام دلائل بیان کرنے کا میرا مقصد یہی ہے کہ یہ قول غلط ہے کہ ''ہر کامیاب مرد کے پیچھے کسی عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔''

اسی طرح دوسری چیز جس پر میں دلائل دوں گا وہ یہ ہے کہ 18 سال کے

بچے کو جو ووٹ ڈالنے کا حق دے رکھا ہے وہ غلط ہے۔

جیسا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ اس وقت پوری دنیا میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ 18 سال کا لڑکا ہو یا لڑکی وہ اس عمر میں سمجھدار ہوتے ہیں اور انھیں تقریباً وہ تمام حقوق حاصل ہوتے ہیں جو چالیس سال کے ایک عقل مند اور ذہین آدمی کو حاصل ہوتے ہیں جیسے ذاتی کاروبار کرنا، اپنی زندگی کے تمام معاملات کے فیصلے کرنا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حکومت کو منتخب کرنا یعنی ووٹ ڈالنے کا حق حاصل ہونا۔لیکن اگر آپ غور کریں تو آپ پر یہ حقیقت عیاں ہو جائے گی کہ 90 فیصد بچوں میں اس کی اہلیت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے تمام معاملات کے اچھے فیصلے کر سکیں اور خاص طور پر ووٹ ڈالنے کے تو وہ بالکل بھی اہل نہیں ہوتے۔ میرے خیال میں ووٹر کی عمر کم از کم 30 سال ہونی چاہیے ووٹر کی عمر کتنی ہونی چاہیے بظاہر یہ کوئی اہم مسئلہ معلوم نہیں ہوتا مگر جب آپ اس پر غور کریں گے تو مندرجہ ذیل باتیں نظر آئیں گی۔

① اٹھارہ سال کے بچے جذبات اور کم عقلی پر مبنی فیصلے کرتے ہیں جس سے برے لوگ اور بُری حکومتیں اقتدار میں آتی ہیں جو کہ کرپشن کرتی ہیں اور ملک وقوم کے لیے مزید برے فیصلے کرتی ہیں۔ جب کہ تیس سال کی عمر کے لوگ عقل مندی اور حالات کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔ جس سے اچھے لوگ اور اچھی حکومتیں اقتدار میں آتی ہیں اور ملک وقوم کے لیے اچھے فیصلے کرتی ہیں۔

② 18 سالہ بچے کو میڈیا کے کرپٹ لوگ دھوکا دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ جس سے ان کا ووٹ ایک دھوکا دینے والے نیوز چینل کے ہاتھ میں آ جاتا ہے۔ جب کہ تیس سال کی عمر والوں کو میڈیا والے آسانی سے دھوکا نہیں دے سکتے۔

③ ووٹر کی عمر 18 سال ہونے کی وجہ سے الیکشن اور سکیورٹی کے اخراجات میں بہت

زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے۔لڑائی جھگڑوں اور ناحق احتجاج وغیرہ میں بھی 18 سالہ ووٹر ملوث ہوتا ہے۔ جب کہ ووٹر کی عمر 30 سال ہونے کی وجہ سے ووٹروں کی تعداد میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور اس وجہ سے اخراجات میں بھی کمی ہو جاتی ہے۔ نیز 30 سالہ ووٹر لڑائی جھگڑوں اور ناحق احتجاج میں بھی کم ملوث ہوتے ہیں۔

④ 18 سالہ ووٹر ایک سٹوڈنٹ ہوتا ہے نہ تو اس کو فیملی کے معاملات کی کوئی سوجھ بوجھ ہوتی ہے نہ کاروباری معاملات کی اور نہ ہی اس کے پاس کوئی سیاسی بصیرت ہوتی ہے۔ اس لیے اسے ووٹ کا حق دینا ایک ظلم ہے جو کہ صرف یورپ کی اندھی تقلید کی وجہ سے ہو رہا ہے۔

میں نے یہاں چند دلائل دے کر یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ووٹر کی عمر کے معاملے میں جو قانون پوری دنیا میں رائج ہے وہ غلط ہے۔

اسی طرح ایک تیسری بات جس کی طرف میں لوگوں کی توجہ کروانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ تقریباً پوری دنیا میں قابلیت کو کردار پر ترجیح دی جاتی ہے۔ قابلیت کی پہلی اور ابتدائی اسٹیج امتحان میں اچھے نمبر لینا ہے۔ اس وجہ سے اس طالب علم کو ملازمت حاصل کرنے میں آسانی ملتی ہے۔ جب کہ اس کے برعکس ایک ایسا شخص جس کا کردار اچھا ہے۔ یعنی صادق و امین ہے، اخلاص نیت سے ڈیوٹی کرنے والا ہے، اپنے ادارے اور ملک و قوم کا وفادار ہے مگر امتحان میں نمبر کم لیتا ہے تو ایسے شخص کو ترجیح نہیں دی جاتی۔ یعنی قابلیت کو ترجیح دی جاتی ہے کردار پر اور یہ بات تقریباً پوری دنیا میں رائج ہے۔لیکن اس معاملے میں جب میں نے مختلف لوگوں سے بات کی اور انھیں کردار کی ترجیح کے لیے کچھ دلائل دیئے تو تقریباً سب نے اپنی رائے تبدیل کی اور پھر کردار کو ترجیح دی قابلیت پر یعنی ایک آدمی قابل تو ہے مگر ساتھ ہی کرپٹ بھی

ہے تو اس کی قابلیت کا اس کے ادارے اور ملک وقوم کو نقصان ہی ہوگا، اس کے برعکس ایک آدمی میں زیادہ قابلیت تو نہیں مگر وہ باکردار ہے تو اس سے اس کے ادارے اور ملک وقوم کو فائدہ ہی ہوگا نقصان کچھ نہ ہوگا۔

میرے ان دلائل کا مقصد یہی ہے کہ تقریباً پوری دنیا میں جو رائج ہے کہ قابلیت کو ترجیح دی جاتی ہے کردار پر وہ غلط ہے۔

اس موضوع کی چوتھی اور آخری بات میں چارلس ڈارون کے نظریہ ارتقا کے حوالے سے کرنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے انسان کی پیدائش کے متعلق یہ رائے دی تھی کہ انسان کی پیدائش بن مانس (بندر) سے ہوئی ہے۔ اس کے متعلق نیشنل جیوگرافک چینل والے بھی بتا رہے تھے کہ انسان اور بندر کے درمیان ایک کڑی اور بھی ہے جیسے کہ وہ بگ فٹ کا نام دیتے ہیں۔ البتہ یہ کڑی ابھی نہیں ملی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان اور بندر کے درمیان نہ صرف جسمانی اور عقلی لحاظ سے بہت فرق ہے بلکہ زبان کا بھی فرق ہے اور اگر بگ فٹ والی بات مان لی جائے تو اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مثال کے طور پر کسی جانور سے بندر کی نسل چلی پھر وہ ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں ہو گئے پھر ان بندروں سے بگ فٹ نامی انسان پیدا ہوئے پھر ان کی تعداد بھی ہزاروں اور لاکھوں میں پہنچ گئی ہوگی۔ اس کے بعد ان سے انسان کی پیدائش ہوئی اور انسانوں کی تعداد آج اربوں میں ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کڑی نمبر ایک یعنی بندر اس وقت دنیا میں لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں اور اسی طرح کڑی نمبر تین یعنی انسان بھی اربوں کی تعداد بھی موجود ہیں۔ اب یہ کیسے ممکن ہے کہ درمیان والی کڑی جس کی تعداد بھی ہزاروں اور لاکھوں میں ہی ہونی چاہیے تھی مگر تلاش کے باوجود ان میں سے ایک بھی نہیں مل رہا اور اگر بندر اور انسان کی نسل کو

آپس میں ڈائریکٹ ملانے کی کوشش کی جائے تو اس میں مندرجہ ذیل تضاد پایا جاتا ہے:

① انسان اگر بیمار ہو جائے تو اسے اپنا علاج کروانا پڑتا ہے، ورنہ بیماری مزید بڑھ جاتی ہے جب کہ بندر یا تو بیمار ہی نہیں ہوتے اور اگر انھیں کوئی ہلکی پھلکی بیماری آ بھی جائے تو انھیں اس کا باقاعدہ علاج کروانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

② انسانوں میں دائمی مرض مثلاً شوگر اور بلڈ پریشر وغیرہ پائے جاتے ہیں جب کہ بندروں میں کوئی بھی دائمی مرض نہیں پایا جاتا۔

③ انسان اگر خراب کھانا کھالے تو بیمار ہو جاتا ہے جب کہ بندروں کے لیے خراب کھانا بھی ایک مکمل غذا ہی ہوتا ہے۔

④ انسان کا متضاد لفظ جانور ہے اگر آپ سے سوال کیا جائے کہ بن مانس (چمپینزی) انسان ہے یا جانور تو آپ یقیناً یہی جواب دیں گے کہ جانور اس کے علاوہ بھی بندر اور انسان میں قدرتی لحاظ سے کافی تضاد پایا جاتا ہے۔ یہ بات تو عقل بالکل بھی تسلیم نہیں کرتی کہ انسان بندر سے پیدا ہوا ہے اس معاملے میں اگر جانوروں کی طرف بھی دیکھا جائے تو اگر چہ بے شمار جانوروں کے آپس میں ملتے جلتے ہونے کی وجہ سے ڈارون کے نظریے کو تقویت ملتی ہے، مثلاً: مختلف اقسام کی مچھلیاں (کتا، گیدڑ، چیتا، شیر)، (گھوڑا، گدھا، زیبرا) اور اس قسم اور بھی بہت سے جانور ہیں جو کہ آپس میں ملتے جلتے ہیں، مگر بعض جانور ایسے ہیں کہ ان کی مشابہت کسی دوسرے جانور سے نہیں ملتی، جیسے: اونٹ، ہاتھی، زرافہ وغیرہ۔

اب ان کے متعلق بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ جانور کن جانوروں کی نسل سے نکلے ہیں۔ ڈارون کا یہ نظریہ عقلی لحاظ سے بالکل ثابت نہیں ہوتا۔ اس کے متعلق

میرے پاس یہ معلومات پہنچی ہیں کہ یہ نظریہ جدید سائنس کے لحاظ سے بھی غلط ثابت ہو چکا ہے اور خود ڈارون نے بھی اس بارے میں اپنی رائے قائم کی تھی۔ وہ اس بات کو دعوے اور تجربے سے نہیں کہتا تھا۔

یہاں میں اپنے موضوع کو سمیٹتے ہوئے بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے یہاں چار ایسی باتوں کو اپنی رائے کے ذریعے غلط ثابت کیا ہے کہ جنھیں لوگوں کی بڑی تعداد درست مانتی ہے وہ باتیں یہ ہیں:

① ہر کامیاب مرد کے پیچھے کسی عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔

② 18 سالہ بچے کو ووٹ کا حق ہونا چاہیے۔

③ قابلیت اور کردار میں قابلیت کو ترجیح دینا۔

④ ڈارون کا نظریہ ارتقاء۔

ان چار باتوں کو غلط ثابت کرنے کا میرا مقصد صرف یہی ہے کہ ہر شخص کو غور وتحقیق کے بعد ہی کسی کی رائے کو قبول کرنا چاہیے۔ کسی کی اندھی تقلید نہیں کرنی چاہیے۔ تقلید کم عقلی کی نشانی ہوتی ہے۔ یہ باتیں لوگ صرف اس لیے مان لیتے ہیں کہ یہ باتیں کرنے والا یا تو کوئی شہرت یافتہ بڑا شخص ہوتا ہے یا پھر وہ باتیں ویسے ہی مشہور ہوتیں ہیں اور عام لوگ بغیر غور وتحقیق کے مانتے چلے جاتے ہیں۔ ہر شخص کو یہ سوچنا چاہیے کہ یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص کی ہر بات درست ہو۔ یہ باتیں میں نے کتاب کے اس حصے کے شروع میں اس لیے درج کی ہیں کہ کتاب بڑھتے وقت آپ اپنی ذاتی رائے کا بھی استعمال کریں۔ غور وتحقیق سے کام لیں اور ذہنی غلامی جو کہ سب ے بُری غلامی ہے اس سے نجات حاصل کریں۔

قارئین علمی و عقلی دلائل کہیں سے بھی لے سکتے ہیں، مگر بہتر یہ ہے کہ وہ جب

بھی میری کسی رائے کا رد کریں تو اس میں ذاتی غور و تدبر کو شامل کریں اور ذہنی آزادی کا ثبوت دیں۔

نظامِ قوانین کا مختصر جائزہ

اسلامی قوانین اور سزاؤں کے متعلق آج عیسائی مما لک میڈیا کے ذریعے سے عام آدمی کے ذہن میں یہ سوچ پیدا کر رہے ہیں کہ اسلامی سزائیں ظالمانہ ہیں، غیر منصفانہ ہیں، پرانی اور نامکمل ہیں موجودہ دور کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتیں۔ ان سزاؤں میں انسانیت کی تذلیل ہے وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح کی دین اسلام کے متعلق اور بھی بہت سی باتیں ہیں جنھیں بعض لوگ اسلام دشمنی یا کم علمی کی وجہ سے اسلام کی خامیوں کے طور پر عام لوگوں میں نشر کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے میں یہاں دین اسلام کی ایک ایسی بڑی خوبی کا ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ جو اس دین میں ایسی وسعت پیدا کر دیتی ہے کہ جس سے اس دین میں کسی خامی یا کمی کا ظہور ناممکن ہو جاتا ہے۔

وہ خوبی یہ ہے کہ دین اسلام اپنی تعلیمات کے تین بڑے ذرائع رکھتا ہے:

① قرآن وحدیث۔

② صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال وافعال۔

③ اجتہاد۔

ان میں سے اجتہاد ایک ایسی چیز ہے کہ جو ایک طرف تو اسلامی تعلیمات میں وسعت پیدا کرتا ہے جب کہ دوسری طرف وہ اپنی ضرورت کے مطابق ہر اچھی اور نئی چیز کو اپنے اندر ضم کر لیتا ہے جیسے کوئی قانون، نظام یا نئے علوم وغیرہ یا ان میں پائی جانے والی کوئی خوبی، البتہ یہ اجتہاد قرآن و حدیث کے خلاف نہیں جانا چاہیے۔

جہاں تک یہ بات ہے کہ سخت سزاؤں یا اسلامی سزاؤں میں انسانیت کی تذلیل ہے تو اس کے لیے درج ذیل باتوں پر غور کریں:

① اگر ہم عقلی لحاظ سے اس بات کا جائزہ لیں تو عقل یہ کہتی ہے کہ انسانی معاشرے کے فائدے میں وہ سزا ہوتی ہے جو جرائم میں زیادہ کمی واقع کرے اور جرائم میں کمی اس سزا سے ہوتی ہے جس سے مجرم و معاشرہ خوف رکھیں، یعنی سخت سزا۔

② سزا سخت ہو یا نرم یا تو ہر سزا میں انسانیت کی تذلیل ہے یا پھر کسی بھی سزا میں انسانیت کی تذلیل نہیں مثال کے طور پر اگر کوئی ٹیچر اپنے کسی سٹوڈنٹ کو اس کی غلطی کی وجہ سے سزا کے طور پر ڈانٹ کر کلاس روم سے باہر نکال دے تو اس نرم سزا میں بھی تو اس سٹوڈنٹ اور انسانیت کی تذلیل ہے اور اسی طرح اگر چوری پر ہاتھ کاٹنے یا قتل کے بدلے قتل پر انسانیت کی تذلیل ہے تو پھر کسی انسان کو جیل میں قید کرنے میں بھی تو انسانیت کی تذلیل ہے۔

③ کسی سزا میں انسانیت کی کوئی تذلیل نہیں ہوتی، کیونکہ جو سزا کسی شخص کو دی جاتی ہے وہ کسی انسان یا انسانوں کی چنی ہوئی کسی ریاست وغیرہ کا مجرم ہوتا ہے اور اپنے جرم کی وجہ سے اخلاقی طور پر انسانیت کے درجے سے گر کر حیوانیت کے درجے میں چلا جاتا ہے۔ اس طرح وہ سزا کسی انسان کو نہیں دی جا رہی ہوتی، بلکہ انسانیت کے مجرم کو دی جا رہی ہوتی ہے۔

④ نرم سزا اگر 100 فیصد مجرموں کو مل جائے تو بھی جرائم میں واضح کمی واقع نہیں ہوتی، لیکن اگر سزا زیادہ سخت ہو اور عدل و انصاف کے ساتھ صرف 20 فیصد مجرموں کو بھی مل جائے تو جرائم میں واضح کمی واقع ہو جاتی ہے اور اسلام نے انہی علمی حقائق کی وجہ سے سزاؤں میں سختی رکھی ہے۔

یہ تو میرے وہ دلائل تھے جو کہ میں نے اسلامی قوانین کے دفاع میں دیے، اگر میں موجود نظام کے قوانین کی مخالفت میں دلائل دوں تو اس پر ایک اچھی خاصی کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ کیونکہ اس قانونی نظام میں اتنی خامیاں ہیں کہ انھیں شمار کرنا مشکل ہے، البتہ میں یہاں چند ایک بڑی خامی کی طرف اشارہ کروا دیتا ہوں:

① موجودہ قانونی نظام کو اس طریقے سے ترتیب دیا گیا ہے کہ امیر آدمی یا مجرم اپنے کیسوں کو لمبی مدت تک کھینچ سکتے ہیں جس میں مجرم کا فائدہ اور غریب آدمی اور مدعی کا نقصان ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں ایسے بے شمار کیس ہیں کہ جنھیں بیس بیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے اور بعض کیسوں میں تو مجرم اپنی طبعی موت ہی مر جاتا ہے مگر کیس پھر بھی چلتا رہتا ہے۔

② موجودہ قانونی نظام میں جھوٹ بولے بغیر کوئی شخص انصاف ہی نہیں لے سکتا، یعنی اس نظام میں ''جھوٹ کا بول بالا اور سچ کا منہ کالا۔''

③ موجودہ قانونی نظام کے متعلق زبانی دعویٰ تو یہ کیا جاتا ہے کہ یہ قانون سب کے لیے برابر ہے جب کہ حقیقی طور پر یہ اپنے اس دعوے کے بالکل متضاد ہے یعنی صدر و وزرا کے لیے اور قانون ہے عام آدمی کے لیے اور مذہبی شخص کے لیے اور سیاست دان کے لیے اور وکلا کے لیے اور ہے موکل کے لیے اور غریب کے لیے اور ہے امیر کے لیے اور عورت کے لیے اور ہے اور مرد کے لیے اور وغیرہ وغیرہ۔

④ اس نظام میں جیل جانا غریب آدمی کے لیے تو سخت قید ہے جب کہ یہ جیل امیر آدمی اور بڑے مجرموں کے لیے ایک حفاظتی قلعہ ہے وہ خود کو کسی مقصد کے لیے جیل بھجواتے ہیں۔ اسی طرح جرمانے کی تقریباً تمام سزاؤں میں غریبوں کی تذلیل اور امیروں کا تحفظ رکھا گیا ہے۔

اس کے علاوہ اس قانونی نظام میں یہ بھی ایک خرابی ہے کہ جو شخص کیس ہار جاتا ہے وہ اپنے کیس کو اس سے بڑی عدالت میں لے جاتا ہے اگر وہاں بھی ہار جائے تو پھر وہ شخص اس سے بڑی عدالت میں چلا جاتا ہے اور اگر وہاں بھی ہار جائے تو اس سے اگلی عدالت میں چلا جاتا ہے۔ اس طرح یہ نظام امیر دوست اور غریب دشمن بن جاتا ہے کیونکہ بڑی عدالتوں میں وکلاء کی فیس اور دوسرے اخراجات زیادہ ہوتے ہیں، جنھیں غریب آدمی برداشت نہیں کرسکتا۔ مزید یہ کہ اس نظام میں وقت کا ضیاع ہے، فضول خرچی ہے، اچھے اور شریف شخص کے لیے پریشانی ہے جب کہ اس کے برعکس اسلام کے قانونی نظام میں بے شمار خوبیاں ہیں اور خامی کوئی نہیں، مگر چونکہ میں کوئی قانونی کتاب نہیں لکھ رہا میرا اس کتاب کو لکھنے کا مقصد دین کی تبلیغ ہے، کیونکہ اسلامی قوانین دین اسلام کا ایک اہم جز ہیں اس لیے میں نے قارئین و مبلغین کے لیے قانونی نظام کا ہلکا سا تعارف کروانا مناسب سمجھا۔

قرآن کے کلام اللہ ہونے کے عقلی دلائل

''عنقریب ہم انھیں اپنی نشانیاں آفاق عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود
ان کی اپنی ذات میں بھی یہاں تک ان پر کھل جائے گا کہ حق یہی ہے۔''

[حم السجدة: ۵۳]

فرض کرو کہ سات فروری کو ایک گھر میں بیس تولے سونے کی چوری ہو جاتی ہے۔ مدعی پولیس میں اپنی رپورٹ درج کرواتا ہے، کیس جس پولیس آفیسر کے حوالے کیا جاتا ہے وہ بہت ایماندار اور محنتی ہوتا ہے وہ کیس کے متعلق مدعی سے کچھ مزید معلومات حاصل کرتا ہے اور یہ بھی پوچھتا ہے کہ کیا آپ کو کسی شخص پر شک بھی

ہے تو مدعی اپنے گلی میں رہنے والے دو آوارہ لڑکوں حامد اور زاہد پر شک کا اظہار کرتا ہے۔ اس قسم کی معلومات حاصل کرنے کے بعد پولیس آفیسر کیس کی تفتیش شروع کر دیتا ہے اور دس فروری یعنی تین دن بعد مدعی کو تھانے بلواتا ہے اور یہ سوال کرتا ہے کہ کیا آپ نے اپنے بیٹے عنصر کو پچاس ہزار روپے دے رکھے ہیں؟ مدعی نفی میں جواب دیتا ہے تب پولیس آفیسر اسے بتاتا ہے کہ جن لڑکوں پر تم شک کر رہے ہو وہ تمھارے چور نہیں، بلکہ تمھارا چھوٹا بیٹا عنصر تمھارا چور ہے۔ مدعی اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا تو پولیس آفیسر اپنی تفتیش کی کارروائی سناتا ہے اور مدعی کو بتاتا ہے کہ ہم نے آپ کے چھوٹے بیٹے عنصر سے چوری کے متعلق دو چار سوال کیے تو عنصر کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا اور اس نے ہم سے ایک دو جھوٹ بھی بولا۔ اس وجہ سے ہمیں اس پر شک ہو گیا کہ یہ ضرور چوری کے متعلق کچھ جانتا ہے پھر میں نے ایک دو دن اس کی جاسوسی کروائی تو مجھے پتا چلا کہ ان دنوں اس کی جیب میں روپے زیادہ ہیں اور یہ فضول خرچی کر رہا ہے۔ میرا شک اس پر مزید بڑھ گیا اور اب سے تقریباً تین گھنٹے پہلے ہم نے اس کو گرفتار کیا اس سے مزید تفتیش کی تو اس نے اپنی چوری کا اقرار کر لیا اور اس سنار کو بھی گرفتار کروا دیا جسے اس نے سونا بیچا تھا۔ اب یہ رہا آپ کا سونا اور یہ ہے وہ سنار جس نے اسے خریدا تھا اور یہ ہے آپ کا بیٹا عنصر جس نے یہ چوری کی تھی۔ ان تمام باتوں کو سننے کے بعد مدعی اقرار کرتا ہے کہ آپ نے تفتیش ٹھیک کی ہے، کیونکہ تمام دلائل وثبوت میری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں۔

اس فرضی تفتیشی مثال کو بیان کرنے کا میرا مقصد یہ تھا کہ پولیس کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کون سا جرم کس نے کیا ہے، مگر وہ اپنے مخصوص طریقہ تفتیش کے ذریعے جرم اور مجرم کی تمام معلومات حاصل کر لیتے ہیں اور واقعہ کی اصل حقیقت تک پہنچ

جاتے ہیں۔ اسی طرح میں نے تفتیشی لحاظ سے قرآن مجید پر کچھ غور وتدبر کیا یہ جاننے کے لیے کہ یہ کلام اللہ ہے یا نہیں۔ تو مجھے کچھ ایسے عقلی دلائل ملے کہ میں یہ ماننے پر مجبور ہو گیا کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہوسکتا یہ غور وتدبر اور تفتیش میں نے کیسے کی اس کی چند مثالیں پیش کر رہا ہوں:

- ''الم۔ رومی مغلوب ہو گئے۔ نزدیک کی زمین پر اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آ جائیں گے چند ہی سالوں میں۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی اختیار اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، اس روز مسلمان شادمان ہوں گے۔''[الروم: ١۔٤]

قرآن مجید کی ان آیات میں آنے والے چند سالوں کے متعلق یہ پیشین گوئی ہوئی تھی کہ رومی جو کہ اپنے دشمن سے مغلوب ہو چکے ہیں وہ اگلے چند سالوں میں اپنے دشمن پر غالب آ جائیں گے۔ قرآن مجید کی یہ پیشین گوئی سات سال بعد پوری ہو گئی۔ اگر یہ پیشین گوئی پوری نہ ہوتی تو قرآن کے کلام اللہ ہونے اور محمد ﷺ کے پیغمبر ہونے میں شک پیدا ہوتا۔ لیکن اس پیشین گوئی کے پورے ہونے کی صورت میں قرآن مجید کے کلام اللہ اور محمد ﷺ کے پیغمبر ہونے کی ایک عقلی دلیل ملتی ہے۔

- ''اور ہمارا ہی لشکر غالب رہے گا۔ اب آپ کچھ دنوں تک ان سے منہ پھیر لیجیے۔''[الصافات: ١٧٣،١٧٤]

یہ مکی سورت ہے جب مسلمان انتہائی کمزور تھے، اس وقت مسلمانوں کے غالب ہونے کا تصور ممکن ہی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت مسلمانوں کی تسلی کے لیے یہ پیش گوئی کی تھی کہ ہمارا ہی لشکر غالب رہے گا۔ یعنی مسلمان ہی غالب آئیں گے۔ یہ پیشین گوئی اتنی سچ ثابت ہوئی کہ ان کمزور مسلمانوں نے نہ صرف مشرکینِ مکہ کو شکست دی بلکہ اس وقت کی دو عظیم حکومتوں فارس اور روم کو بھی شکست دی اور عجیب

بات یہ ہے کہ ہر جنگ میں مسلمان تعداد اور وسائل کے معاملے میں اپنے دشمن کی نسبت بہت کمزور ہوتے تھے۔مسلمانوں کے غالب ہونے کی پیشین گوئیاں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مختلف جگہ پر دے رکھی ہیں، جن میں سے چند کو پیش کر رہا ہوں:

- ''پس تم کمزور بن کر صلح کی درخواست پر نہ اتر آؤ جب کہ تم ہی بلندو غالب رہو گے۔ [محمد: ٣٥]
- ''تم نہ سستی کرو نہ غمگین ہو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان دار ہو۔'' [آل عمران: ١٣٩]

ان حوالہ جات کے علاوہ بھی مسلمانوں کے غالب ہونے کی یہ پیشین گوئیاں قرآن مجید میں مختلف جگہوں پر موجود ہیں:

- ''جن لوگوں نے ظلم برداشت کرنے کے بعد اللہ کی راہ میں ترک وطن کیا ہے ہم انھیں بہتر سے بہتر ٹھکانہ دنیا میں عطا فرمائیں گے اور آخرت کا ثواب تو بہت ہی بڑا ہے کاش کے لوگ اس سے واقف ہوتے۔'' [النحل: ٤١]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرینِ مکہ کے لیے دنیا میں بہتر سے بہتر ٹھکانہ ملنے کی پیش گوئی کی تھی جو کہ پوری ہوئی:

- ''ہم تجھے پڑھائیں گے پھر تو نہ بھولے گا۔'' [الأعلیٰ: ٦]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ ہم تمھیں یہ قرآن ایسے پڑھا دیں گے کہ پھر ساری زندگی نہ بھولو گے۔ یہ سورت نزول قرآن کے ابتدائی دور کی ہے۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ مختلف سورتیں نازل ہوتی رہیں اور قرآن مجید ایک بہت بڑی کتاب کی شکل اختیار کر گیا۔مگر اس آیت میں بیان ہونے والی بات اتنی سچ ثابت ہوئی کہ آپ ﷺ ساری زندگی میں کبھی قرآن نہ بھولے۔

۞ ''(اے نبی!) آپ قرآن کو جلدی (یاد کرنے) کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔ اس کا جمع کرنا اور (آپ کی زبان سے) اسے پڑھنا ہمارے ذمے ہے۔ ہم جب اسے پڑھ لیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں۔ پھر اس کا واضح کر دینا (بھی) ہمارے ذمے ہے۔'' [القيامة: ١٦-١٩]

ان آیات میں بیان کی جانے والی باتیں بھی تمام کی تمام مکمل طور پر پوری ہوئیں۔ خاص طور پر قرآن مجید کا جمع ہونا تو اس کا ایک اعجاز ٹھہرا۔

۞ ''ہم نے ہی اس قرآن کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔'' [الحجر: ٩]

قرآن مجید کی اس آیت کی پیش گوئی بھی مکمل طور پر پوری ہوئی۔ یہ کتاب مکمل طور پر محفوظ ہے۔ اس میں ایک لفظ کی بھی کمی یا زیادتی نہیں ہوئی اور اس بات کا اقرار غیر مسلم بھی کرتے ہیں۔ مزید یہ کہ اس کی حفاظت ظاہری اسباب یعنی حفظ وغیرہ کی شکل میں ہوئی، تاکہ لوگوں کے لیے ایک عقلی دلیل بھی بن جائے۔

پیشین گوئیوں والی ان آیات کے علاوہ قرآن مجید میں کچھ سائنسی علوم کے متعلق بھی آیات موجود ہیں۔ ان آیات سے بھی اس قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کے عقلی دلائل ملتے ہیں۔

۞ ''تمام کے تمام چلنے پھرنے والے جانداروں کو اللہ تعالیٰ ہی نے پانی سے پیدا کیا۔'' [النور: ٤٥]

یہ آیت تقریباً 1400 سال پہلے قرآن میں نازل ہو چکی ہے مگر سائنس اس علم تک کچھ عرصہ پہلے پہنچی ہے۔

۞ ''کیا کافروں نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے، پھر ہم

نے انھیں جدا کیا اور ہر زندہ چیز کو ہم نے پانی سے پیدا کیا۔ کیا یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔'' [الأنبیاء: ۳۰]

قرآن کی اس آیت اور بگ بینگ تھیوری میں مماثلت پائی جاتی ہے۔

۞ ''وہ پاک ذات ہے جس نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کیے خواہ وہ زمین کی اگائی ہوئی چیزیں ہوں، خواہ خود ان کے نفوس ہوں، خواہ وہ (چیزیں) ہوں جنھیں یہ جانتے بھی نہیں۔'' [یٰسٓ: ۳٦]

اس آیت میں آج سے تقریباً 1400 سال پہلے یہ بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے۔ آیت کے پہلے حصے میں زمین سے اگنے والی چیزوں کے جوڑے ہونے کا ذکر ہے۔ یعنی پودوں میں نر اور مادہ ہوتے ہیں نزولِ قرآن کے وقت انسان نہیں جانتا تھا اس کا علم انسان کو حال ہی میں ہوا ہے۔ اس بات سے بھی قرآن کے کلام اللہ ہونے کی عقلی دلیل ملتی ہے۔ اور اس آیت کے تیسرے حصے کے ''خواہ وہ (چیزیں) ہوں جنھیں یہ جانتے بھی نہیں'' اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان اس کا پورا علم حاصل نہ کر سکے گا۔ واللہ أعلم

۞ ''یا مثل ان اندھیروں کے ہے جو نہایت گہرے سمندر کی تہ میں ہوں جسے اوپر تلے کی موجوں نے ڈھانپ رکھا ہو پھر اوپر سے بادل چھائے ہوئے ہوں۔ الغرض اندھیریاں ہے جو اوپر تلے پے درپے ہیں جب اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی قریب ہے کہ نہ دیکھ سکے اور (بات یہ ہے کہ) جسے اللہ تعالیٰ ہی نور نہ دے اس کے پاس کوئی روشنی نہیں۔'' [النور: ٤٠]

قرآن کی اس آیت کے پڑھنے کے بعد ایک غوطہ خور غیر مسلم مسلمان ہوا۔ لیکن مسلمان ہونے سے پہلے اس نے یہ بھی تحقیق کی کہ محمد ﷺ نے اپنی زندگی میں

کوئی سمندری سفر تو نہیں کیا تھا جب اسے یہ معلوم ہوا کہ محمد ﷺ نے کبھی سمندری سفر نہیں کیا تو اس آیت کی وجہ سے وہ جان گیا کہ یہ کلام محمد ﷺ کا خود ساختہ کلام نہیں ہے اور مسلمان ہو گیا۔

سائنسی علوم کے علاوہ قرآن مجید کے اندازِ بیاں سے بھی اس کے کلام اللہ ہونے کے عقلی دلائل ملتے ہیں۔ ذیل میں اس کی چند مثالیں پیش کر رہا ہوں:

- ''جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے ہیں۔[البقرۃ: ۳]

اور ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کریں (ہماری راہ میں) اس آیت کے ان الفاظ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے، کیونکہ اگر یہ کسی بشر کا کلام ہوتا تو ان الفاظ کا اندازِ بیاں یہ ہوتا: ''اور جو اپنے مال میں سے خرچ کرتے ہیں'' ہمارے دیئے ہوئے؛ کے جو الفاظ ہیں یہ قرآن کے کلام اللہ ہونے کی عقلی دلیل ہے۔

- ''تم اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ یہ ہمیشہ رہنے کا دن ہے۔ یہ وہاں جو چاہیں انھیں ملے گا (بلکہ) ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے۔''[قٓ: ۳۵،۳٤]

اگر یہ کسی بشر کا کلام ہوتا تو ان الفاظ پر: ''یہ وہاں جو چاہیں انھیں ملے گا'' پر بات 100 فیصد مکمل ہو جاتی ہے، لیکن اس سے آگے والی بات: ''ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے'' یہ الفاظ اور ان کا اندازِ بیاں بتا رہا ہے کہ یہ کلام اللہ ہے کیونکہ یہ آخری الفاظ انسانی عقل سے باہر ہیں۔

- ''اور جس کا ارادہ آخرت کا ہو اور جیسی کوشش اس کے لیے ہونی چاہیے وہ بھی کرتا ہو اور وہ باایمان بھی ہو، پس یہی لوگ ہیں جن کی کوشش اللہ کے ہاں قابلِ

قدر ہے۔[بني إسرائيل: ١٩]

قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کی ایک عقلی دلیل اس کے الفاظ اور آیات میں پائے جانے والی وسعت ہے۔ اس کی وسعت کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ اکثر زبانوں میں اس کا صحیح طور پر ترجمہ نہیں ہوسکتا خاص طور پر تاکید پیدا کرنے کے لحاظ سے لیکن اس بات کو تو صرف وہی لوگ سمجھتے ہیں جو عربی گرائمر جانتے ہیں مگر میں یہاں قارئین کی توجہ قرآن مجید کے ترجمے میں موجود وسعت و تاکید کی طرف کروانا چاہتا ہوں۔ اس بیان کی جانے والی ایک آیت میں آخرت کے ذکر کے بعد یہ الفاظ ہیں: ''اور جیسی کوشش اس (آخرت) کے لیے ہونی چاہیے وہ بھی کرتا ہو'' ان الفاظ میں اتنی وسعت پائی جاتی ہے کہ کوئی انسان اس کا احاطہ نہیں کرسکتا نہ عقلی طور پر نہ عملی طور پر۔ اس آیت کے یہ الفاظ اپنی وسعت کے لحاظ سے سورت آل عمران کی اس آیت کے مثل ہیں:

''اے ایمان والو! اللہ سے ایسے ڈرو جیسے کہ ڈرنے کا حق ہے۔'' [آل عمران: ١٠٢]

جس طرح کوئی انسان اللہ تعالیٰ سے اتنا نہیں ڈرسکتا جتنا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اسی طرح کوئی انسان آخرت کے لیے ویسی کوشش نہیں کرسکتا کہ جیسی کوشش اس کے لیے ہونی چاہیے اور اس سے آگے کے الفاظ ہیں: ''اور وہ باایمان بھی ہو'' ان مختصر سے الفاظ نے احادیث میں موجود ایمان کی تمام تشریحات کا احاطہ کر رکھا ہے۔ اس طرح وسعت و تاکید وغیرہ کے لحاظ سے بھی قرآن کے کلام اللہ ہونے کے عقلی دلائل ملتے ہیں۔

ان دلائل کے علاوہ سورۃ الفیل اور سورۃ العنکبوت کی آیت نمبر 48 پر جب

میں نے تفتیشی طور پر غور کیا تو قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کے مجھے مزید عقلی دلائل ملے۔

۞ ''کیا تو نے نہ دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا ان کے مکر کو بے کار نہیں کر دیا؟ اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے جو انھیں مٹی اور پتھر کی کنکریاں مارتے تھے۔ پس انھیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔'' [الفیل: ۱۔۵]

اس سورت پر میں نے تفتیشی طور پر اس طرح غور کیا کہ سب سے پہلے میں نے یہ معلومات حاصل کیں کہ یہ واقعہ کس دور کا ہے یعنی اگر یہ فرعون و نمرود کی طرح پرانا ہے تو اس واقعہ کی تفتیش نہیں ہو سکتی، بلکہ اسے ایک من گھڑت قصہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن جب مجھے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ بہت قریب کا ہے۔ اس واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے والے لوگ اس سورت کے نزول کے وقت زندہ و موجود تھے تو اس سے یہ عقلی دلیل خود بخود نکلتی ہے کہ اس سورت میں بیان ہونے والا تمام واقعہ سچا ہے، کیونکہ اس سورت میں بیان ہونے والی ایک بھی بات جھوٹ ہوتی تو محمد ﷺ کے مخالفین ضرور اس قسم کی باتیں کرتے کہ محمد ﷺ کی فلاں بات تو جھوٹ پر مبنی ہے یا قرآن کی سورۃ الفیل کی فلاں آیت میں بیان ہونے والی بات سچ نہیں اور اگر دین اسلام و محمد ﷺ کے مخالفین نے اس قسم کی باتیں کیں ہوتیں تو کتب تاریخ میں ان باتوں کا کچھ نہ کچھ ذکر ضرور ملتا۔ ان تمام باتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سورۃ الفیل میں بیان ہونے والا واقعہ مکمل طور پر سچا ہے اگرچہ انسانی عقل اسے تسلیم کرے یا نہ کرے۔

اب اگر اس سورت میں بیان ہونے والی باتوں پر غور کریں تو یہ واقعہ سامنے آتا ہے کہ کوئی ہاتھی والوں کا گروہ اپنا کوئی بُرا ارادہ لے کر آیا تھا، جن پر پرندوں کے

جھنڈوں نے مٹی اور پتھر کی کنکریوں سے حملہ کر دیا اور اس گروہ کو تباہ و برباد کر دیا۔
اس واقعہ کی مکمل تفصیل تاریخ کی کتابوں میں درج ہے جس سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ ہاتھی والوں کا ایک بہت بڑا لشکر بیت اللہ کو گرانے کے ارادے سے مکہ آیا تھا۔ ان کا مقابلہ کرنے کی نہ تو کسی میں ہمت تھی اور نہ طاقت۔ لیکن جب وہ بیت اللہ کو گرانے کے ارادے سے اس کے قریب پہنچے تو اس لشکر پر پرندوں نے حملہ کر دیا۔ اس واقعہ سے بعض باتوں کا ماننا انسانی عقل کی ضرورت و مجبوری بن جاتی ہے جو درج ذیل ہیں:

① پرندوں کے ذریعے معجزانہ طریقے سے ایک بڑے لشکر کو شکست ملنے سے معجزات کو عقلی طور پر تسلیم کرنے کی دلیل ملتی ہے۔

② اس دنیا اور اس کائنات کا نظام چلانے اور نظر نہ آنے والی کوئی ہستی ضرور موجود ہے اور یہی وہ ہستی ہے جسے سائنس دان قدرت کے نام اور دین کے پیرو اللہ، خدا، رب وغیرہ کے نام سے پکارتے ہیں اور اسی بات سے ایمان بالغیب کی بھی عقلی دلیل ملتی ہے۔

③ اس نظر نہ آنے والی ہستی کا بیت اللہ سے گہرا تعلق ہونے کی عقلی دلیل ملتی ہے۔

سورۃ الفیل کے بعد اب میں سورۃ العنکبوت کی آیت نمبر 48 کی طرف قارئین کی توجہ کروانا چاہتا ہوں۔

۞ ''اس سے پہلے تو آپ کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ کسی کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے کہ یہ باطل پرست لوگ شک و شبہ میں پڑتے۔'' [العنکبوت: ٤٨]

اس آیت پر جب میں نے تفتیشی لحاظ سے غور کیا تو میرے ذہن میں ایک تو یہ بات آئی کہ ہوسکتا ہے کہ محمد ﷺ پڑھنا لکھنا جانتے ہوں، مگر انھوں نے اعلانِ نبوت کرنے کے لیے اپنی اس صفت کو لوگوں سے مخفی رکھا ہو۔ لیکن پھر میرے مثبت

ذہن نے مجھے کچھ ایسے دلائل دیئے کہ مجھے اپنی رائے تبدیل کرنی پڑی وہ دلائل یہ تھے:

① کوئی بھی شخص اپنے خواندہ ہونے کی صفت کو اتنا مخفی نہیں رکھ سکتا کہ کسی بھی شخص کو معلوم نہ ہو یہاں تک کہ اس کے اپنے کنبے قبیلے کو بھی معلوم نہ ہو۔

② اگر کوئی شخص اپنے خواندہ ہونے کو لوگوں سے مخفی رکھنا چاہے تو اس کے لیے اسے تقریباً دس سال کی عمر میں ہی پلان ترتیب دینا پڑے گا اور اس عمر میں کسی شخص میں اتنی قابلیت نہیں ہو سکتی کہ وہ نبوت جیسے بڑے منصب کا پلان ترتیب دے سکے۔

③ جو شخص بھی لکھنا پڑھنا جانتا ہو اس کا کوئی نہ کوئی استاد ضرور ہوتا ہے اور استاد ہونے کی وجہ سے بھی اس بات کا مخفی رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

④ کسی شخص کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے خواندہ ہونے کی صفت کو اتنی لمبی مدت یعنی چالیس سال تک چھپائے رکھے۔

ان باتوں کے علاوہ اس آیت میں مذکور بات کے سچ ہونے کے مجھے جو عقلی دلائل ملے وہ یہ تھے۔

اس آیت کا اندازِ بیاں بتا رہا ہے کہ یہ بات سچ تھی کہ محمد ﷺ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، کیونکہ اگر وہ لکھنا پڑھنا جانتے ہوتے اور یہ بات قرآن میں اس طرح درج کرواتے تو اس وقت کے لوگوں نے یہ کہنا تھا کہ محمد ﷺ تم یہ جھوٹ کیوں بول رہے ہو تم تو لکھنا پڑھنا جانتے ہو۔ ان دلائل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ موجودہ آیت میں مذکور بات سچ ہے کہ محمد ﷺ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو عقل یہ بات ماننے کو تیار نہیں کہ ایک اَن پڑھ شخص اتنا وسیع مفہوم رکھنے والا شاعرانہ طرز کا کلام پیش کرے اور وہ بھی ایک انتہائی ضخیم کتاب کی شکل میں، پھر اس کلام میں کوئی تضاد بھی نہ ہو باوجود یہ کہ ایک ہی بار بیٹھ کر نہیں لکھی گئی، بلکہ 23

سال کے عرصے میں تھوڑی تھوڑی کر کے لکھی گئی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کلام کو تمام مخلوقات کے سامنے ایک چیلنج کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

❁ ''ہم نے جو کچھ اپنے بندے پر اتارا ہے اس میں اگر تمھیں شک ہو اور تم سچے ہو تو اسی جیسی ایک سورت تو بنا لاؤ تمھیں اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو۔ پس اگر تم نے نہ کیا اور تم ہرگز نہیں کر سکتے تو (اسے سچا مان کر) اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔'' [البقرۃ: ۲۳، ۲٤]

مزید یہ کہ یہ کلام کوئی شاعری تو نہیں ہے مگر اس میں شاعرانہ اسلوب اتنا ہے کہ سورت بنی اسرائیل جو کہ 110 بڑی آیات کا مجموعہ ہے اس کی تمام آیات ایک ہی لہجے اور وزن پر چلتی ہیں۔ اس سورت کی آیت نمبر 2 ﴿وَكِيْلًا﴾ لفظ پر ختم ہوتی ہے۔ اس سے آگے کی تمام آیات اسی لہجے اور وزن پر ختم ہوتی ہیں، مثلاً: ﴿شَكُوْرًا﴾، ﴿كَبِيْرًا﴾، ﴿مَّفْعُوْلًا﴾، ﴿سَبِيْلًا﴾، ﴿تَكْبِيْرًا﴾ وغیرہ۔ اسی طرح سورۃ النساء جو کہ قرآن مجید کی تین بڑی سورتوں میں سے ایک ہے جس کے 24 رکوع اور 176 آیات ہیں وہ پوری سورت بھی اسی لہجے اور وزن پر چلتی ہے۔ اور یہ معاملہ کسی ایک دو سورت کے ساتھ نہیں بلکہ قرآن مجید کی ستر فیصد سورتیں اسی طرح ہیں۔ قرآن مجید کے اس لب و لہجے کا مزا تو ایک عام عجمی بھی اٹھا سکتا ہے مگر قرآن کو عربی میں سننے کا صحیح مزا اسی شخص کو آتا ہے جو کم از کم قرآن مجید کی تجوید سے واقف ہو اگرچہ اسے قرآن مجید تجوید سے پڑھنا نہ آتا ہو۔ اب میں اپنی اسی بات کو صحیح طور پر سمجھانے کے لیے ایک نامناسب سی مثال پیش کر رہا ہوں۔

مثال کے طور پر ہم جو گانا سنتے ہیں اس گانے کو دلکش اور خوبصورت بنانے

کے لیے دس پندرہ اقسام کے ساز ہوتے ہیں، اچھے مائیک و اسپیکر ہوتے ہیں، میٹھی آواز ہوتی ہے، کوئی خاص طرز ادا ہوتی ہے، گانے میں بولے جانے والے اشعار و الفاظ کا خاص وزن اور ترتیب ہوتی ہے۔ یعنی کئی چیزیں مل کر ایک گانے کو خوبصورت بناتی ہیں اور وہ بھی چند ماہ کے لیے۔

جب کہ اس کے برعکس قرآن مجید کو صرف دو چیزوں کا ساتھ مل جائے اچھی آواز اور تجوید تو عربی میں قرآن سننے کا مزہ گانے سے کئی گنا زیادہ ہو جاتا ہے۔ گانے کا مزہ کچھ ماہ بعد ختم ہو جاتا ہے مگر قرآن سننے کے مزے میں دوام ہے۔ گانے میں بے معانی الفاظ ہوتے ہیں جب کہ قرآن مجید میں بامعانی الفاظ ہیں۔ قرآن مجید سننے میں اتنا مزہ کیوں آتا ہے؟

جب میں نے اس بات پر غور کیا تو میں نے محسوس کیا کہ قرآن کی یہ ساری خوبصورتی اس کے اپنے الفاظ کی ہے اور ان الفاظ میں سب سے اہم کردار آیت کے آخری لفظ اور غنہ والے الفاظ کا ہے۔ جن سے ایک خاص طرز کا میوزک سا پیدا ہوتا ہے اور قرآن مجید کے سننے میں مزہ آتا ہے۔ ان خوبیوں کے علاوہ بھی قرآن مجید میں اتنی خوبیاں پائی جاتی ہیں کہ ان پر ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے اس معیار کا کلام کوئی انسان پیش نہیں کر سکتا خواہ وہ کتنا ہی پڑھا لکھا ہو، عقل مند و ذہین ہو اور اگر اس کلام کو پیش کرنے والا شخص اَن پڑھ ہو تو انسانی عقل یہ بات ماننے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ وہ شخص ضرور کوئی پیغمبر تھا اور یہ کلام کلام اللہ ہے۔

یہاں میں نے قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کے جو عقلی دلائل دیئے ہیں وہ چھ اقسام کے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

① پیشین گوئیوں کے لحاظ سے۔

② سائنسی علوم کے لحاظ سے۔

③ اندازِ بیان کے لحاظ سے۔

④ الفاظ کی وسعت اور تاکید کے لحاظ سے۔

⑤ تفتیشی لحاظ سے۔

⑥ کلام کی اپنی خوبصورتی کے لحاظ سے۔

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمام انبیاء علیہم السلام کو معجزات عطا کیے گئے جن کے مطابق انسان ان پر ایمان لائے اور مجھے جو (معجزہ) عطا کیا گیا وہ وحی (یعنی قرآن) ہے ....۔'' (صحیح البخاری: 4981)

نوٹ: مزید معلومات کے لیے سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ کی تفسیر تفہیم القرآن جلد اول کے آخر میں موجود ''فہرست موضوعات'' میں دیکھیں: ''(241) قرآن مجید'' اور یہاں درج ان باتوں کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے ان صفحات کو دو، تین مرتبہ پڑھیں۔

محمد ﷺ کے پیغمبر ہونے کے عقلی دلائل

اس موضوع کو تحریر میں لانے سے پہلے میں قارئین کی توجہ ایک ایسے نقطے کی طرف کروانا چاہتا ہوں جس کا سمجھنا اور اس تحریر کو پڑھتے وقت ذہن میں رکھنا بہت ضروری ہے۔ مثال کے طور پر اگر میں یہ سوال کروں کہ ہر مذہب کے نیک لوگ مختلف قسم کی مشکل عبادات کرتے ہیں وہ یہ مشکل عبادات کیوں کرتے ہیں؟ تو اس سوال کا جواب بہت ہی سادہ اور آسان ہے وہ یہ کہ ان مشکل عبادات کی بجاآوری کا حکم یا تو ان کی مذہبی کتاب میں ہوگا یا پھر ان کے پیغمبر نے دیا ہوگا۔ اس سوال کا پیغمبر کے علاوہ باقی تمام لوگوں کے لیے یہی جواب ہوگا۔ لیکن اگر کسی پیغمبر کے متعلق یہی سوال کیا جائے کہ وہ خود مشکل عبادات کیوں کرتا ہے؟ تو اس سوال کا جواب بھی بہت سادہ اور آسان ہے مگر پچھلے جواب سے مختلف ہے وہ یہ کہ پیغمبر کو ان مشکل عبادات کا حکم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی نے دیا ہے۔ لیکن اگر یہ سوال کیا جائے کہ ایک نبوت کا جھوٹا دعوے دار خود مشکل عبادات کیوں کرتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مشکل عبادات کر ہی نہیں سکتا بلکہ وہ تو ضرور اپنے نبی ہونے کے کچھ بڑے دنیاوی فوائد حاصل کرے گا۔ قارئین اس آخری بات پر ضرور غور و تدبر کریں اور میری اس تحریر کو پڑھتے وقت ذہن میں رکھیں۔

محمد ﷺ کے پیغمبر ہونے کے دلائل دو اقسام کے ہیں ایک تو وہ تحریری دلائل

ہیں جو کہ پچھلی مذہبی کتابوں میں پائے جاتے ہیں، مثلاً: تورات، زبور، انجیل، دھماپد، وید وغیرہ ان دلائل کے لیے یا تو آپ خود ان جیسی کتابوں کا مطالعہ کریں یا پھر ڈاکٹر ذاکر نائیک کو سنیں۔ آپ کو محمد ﷺ کے پیغمبر ہونے کے یہ تحریری دلائل مل جائیں گے۔ میں تو یہاں صرف ایسے عقلی دلائل پیش کروں گا جنھیں پڑھنے اور غور وتحقیق کے بعد انسان یہ ماننے پر مجبور ہو جائے کہ واقعی محمد ﷺ ایک پیغمبر تھے۔ لیکن ان عقلی دلائل سے پہلے میں محمد ﷺ کی دنیاوی زندگی کے متعلق چند احادیث پیش کروں گا جن سے قارئین کو یہ معلوم ہو سکے کہ محمد ﷺ نے اپنی دنیاوی زندگی کیسے گزاری:

- ''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آل محمد ﷺ نے دو دن متواتر جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔ حتی کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے۔'' (مشکاۃ: 5237، صحیح البخاری ومسلم)
- ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اللہ کی راہ میں جتنا ڈرایا گیا ہے اتنا کسی کو نہیں ڈرایا گیا۔ اللہ کی راہ میں جتنی مجھے اذیت دی گئی اتنی کسی اور کو نہیں دی گئی، مجھ پر تیس دن رات ایسے بھی گزرے ہیں کہ میرے اور بلال رضی اللہ عنہ کے لیے ایسی کوئی چیز نہ تھی جسے کوئی جاندار کھاتا، البتہ اتنی (قلیل) چیز تھی جسے بلال رضی اللہ عنہ کی بغل چھپا لیتی تھی۔'' (جامع ترمذی: 2476)
- ''حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بھوک کی شکایت کی اور ہم نے اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھا کر ایک پتھر باندھا ہوا دکھایا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیٹ سے دو پتھر بندھے ہوئے دکھائے۔'' (مشکاۃ: 5254)
- ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ جو کی روٹی اور رنگت بدلی ہوئی چربی

لے کر نبی اکرم ﷺ کی طرف گئے جب کہ نبی اکرم ﷺ کی زرہ مدینہ میں ایک یہودی کے پاس گروی تھی آپ ﷺ نے اس سے اپنے گھر والوں کے لیے جو لیے تھے اور میں (راوی) نے انس رضی اللہ عنہ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ حضرت محمد ﷺ کے ہاں شام کے وقت نہ ایک صاع گندم ہوتی تھی اور نہ ایک صاع کوئی اور اناج ہوتا تھا جب کہ آپ ﷺ کی نو ازواج مطہرات تھیں۔'' (صحیح البخاری: 2069)

نبی اکرم ﷺ نے اپنی دنیاوی زندگی اس لیول اور طرز پر گزاری ہے جب کہ آپ پیغمبر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سلطنت کے حاکم بھی تھے۔ آج کی دنیا کا سب سے غریب شخص بھی اپنی دنیاوی زندگی اس لیول پر نہیں گزار رہا اور نہ ہی کوئی شخص ایسا کر سکتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی دنیاوی زندگی کے مختصر حالات بیان کرنے کے بعد اب میں آپ ﷺ کے پیغمبر ہونے کے مختصر دلائل بیان کروں گا:

① نبی اکرم ﷺ کے پیغمبر ہونے کی ایک عقلی دلیل قرآن جیسا عمدہ کلام ہے اور قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کے دلائل میں بیان کر چکا ہوں۔

② رسول اکرم ﷺ کے نبی ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کی حد تک اپنے دشمنوں کے لیے بھی بہت نرم تھے، مگر دین کے معاملے میں انتہائی سخت تھے، یہاں تک کہ اپنے دوستوں کے لیے بھی جب کہ ہر انسان میں یہ باتیں متضاد ہوتی ہیں۔

③ آپ ﷺ کے پیغمبر ہونے کی ایک دلیل آپ ﷺ کا تیرہ سالہ مکی دور ہے، جس میں آپ سے بداخلاقی سے پیش آیا گیا، آپ ﷺ کو ذہنی اذیت بھی پہنچائی

گئی، آپ ﷺ کا سوشل بائیکاٹ بھی کیا گیا اور آپ ﷺ کو جانی خطرہ بھی رہا، مگر پھر بھی آپ ﷺ کا حوصلہ پست نہ ہوا۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کسی طاقتور ہستی یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطے میں تھے اور آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی مدد و راہنمائی حاصل تھی۔

④ حضرت محمد ﷺ کے پیغمبر ہونے کی ایک عقلی دلیل مجھے ان کے اعلانِ نبوت کی عمر سے ملی۔ یعنی انھوں نے نبوت کا اعلان چالیس سال کی عمر میں کیا یہ عمر عقل اور سوچ و بچار کے لحاظ سے بہترین عمر ہوتی ہے، اس عمر میں آدمی کو اپنے قول کے اثرات اور اس کے نفع و نقصان کا خوب علم ہوتا ہے۔ اس لیے اس عمر میں کوئی شخص اتنا بڑا جھوٹ نہیں بول سکتا کہ خود کو نبی کہلوانے لگے۔

⑤ رسول کریم ﷺ ایک وقت میں پیغمبر بھی تھے اور ایک سلطنت کے حاکم بھی۔ حاکموں کے اندر جتنی بھی خرابیاں پائی جاتی ہیں ان میں سے ایک بھی خرابی آپ ﷺ میں نہ تھی، جب کہ ایک پیغمبر اور حاکم میں جتنے بھی اچھے اوصاف ہوتے ہیں وہ سب کے سب آپ ﷺ کے اندر موجود تھے، اس بات میں بھی آپ ﷺ کے پیغمبر ہونے کی ایک عقلی دلیل ہے۔

⑥ آپ ﷺ کے پیغمبر ہونے کی ایک عقلی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ دین کے معاملے میں اپنی جان کی بالکل بھی پروا نہ کرتے تھے۔ دین کے لیے لڑی جانے والی جنگوں میں خود شریک ہوتے زخمی ہوتے، مگر پھر اگلی جنگ کے لیے تیار ہوتے۔ حالانکہ آپ ﷺ نے جتنی جنگوں میں حصہ لیا ان سب میں مسلمان تعداد اور وسائل کے لحاظ سے بہت کمزور تھے اور آپ ﷺ کے دشمن ہر لحاظ سے مضبوط۔ پھر بھی خود جنگ میں حصہ لینے سے نہ ڈرتے۔ اگر آپ ﷺ پیغمبر نہ

ہوتے تو خود کسی بھی جنگ میں شریک نہ ہوتے اور جس طرح ہر شخص اپنی جان کی فکر رکھتا ہے آپ ﷺ بھی رکھتے۔

⑦ آپ ﷺ کے پیغمبر ہونے کی ایک عقلی دلیل یہ ہے کہ ہر نیک کام میں آپ ﷺ پہلی پوزیشن پر ہیں۔ انسانی عقل یہ بات تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوتی کہ ایک نبوت کا جھوٹا دعویدار اتنا عبادت گزار ہو کہ تمام عبادات میں پہلی پوزیشن حاصل کر لے۔

⑧ رسول اکرم ﷺ کے پیغمبر ہونے کی ایک عقلی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اندر ایک بھی کمی نہیں پائی جاتی۔ کیا کسی نبوت کے جھوٹے دعوے دار میں یہ خوبی ہو سکتی ہے؟ ''کبھی نہیں۔''

⑨ موت کا وقت ایک ایسا وقت ہوتا ہے کہ اس وقت سوائے موت کے خوف کے اور کوئی خیال ذہن میں نہیں ہوتا اور یہ خوف سو فیصد لوگوں کو ہوتا ہے اور سو فیصد ہوتا ہے۔ مگر جب آپ ﷺ پر آخری وقت آتا ہے تو اس وقت ان پر موت کا بالکل خوف نہیں ہوتا، بلکہ اس وقت بھی ان کی زبان پر دین کی فکر و احکام ہوتے ہیں، ان باتوں میں بھی ان کے پیغمبر ہونے کے عقلی دلائل ہیں۔

⑩ انسان کو سب سے زیادہ نیند کا غلبہ تہجد کے وقت ہوتا ہے، مگر آپ ﷺ روزانہ اسی وقت بیدار ہوتے روزانہ تہجد کی نماز ادا کرتے اور لمبی لمبی رکعتوں کے ساتھ پڑھتے اور یہ عمل آپ ﷺ کا پوری زندگی رہا۔ اگر آپ ﷺ جھوٹے نبی ہوتے تو آپ کو کیا ضرورت تھی کہ انتہائی آرام کے وقت جب آپ ﷺ کو کوئی دیکھ بھی نہ رہا ہو ایسی مشکل عبادت کرتے، حالانکہ اس نماز کو آپ ﷺ نے باقی مسلمانوں کے لیے ضروری قرار نہیں دیا مگر خود کبھی نہیں چھوڑی۔ اس

عمل سے بھی آپ ﷺ کے پیغمبر ہونے کی ایک عقلی دلیل ملتی ہے۔

⑪ ہر شخص کو اپنی جان، مال، اولاد اور اپنی عزت و آبرو سے ضرور محبت ہوتی ہے اور انتہائی شدید ہوتی ہے، مگر آپ ﷺ اس معاملے میں تمام انسانوں سے مختلف تھے۔ آپ ﷺ کو سب سے زیادہ دین اسلام سے محبت تھی کیا کسی جھوٹے نبی میں یہ چیز ہو سکتی ہے؟ آپ ﷺ نے دین سے اپنی محبت کا ثبوت اپنے قول و عمل دونوں چیزوں سے دیا ہے۔

⑫ حضرت محمد ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل کے ساتھ دین اسلام کو جو کہ اس وقت انتہائی کمزور تھا اسے اتنا طاقتور کر دیا کہ مسلمان دس سال کے کم ترین عرصے میں اس وقت کی دو بڑی اور طاقتور سلطنتوں سے ایک ساتھ لڑنے کے قابل ہو گئے، بلکہ بعد کے مسلمانوں نے ان دونوں طاقتوں کو شکست بھی دے دی۔ اس بات میں بھی آپ ﷺ کے پیغمبر ہونے کی دلیل ہے۔

⑬ کوئی بھی شخص کوئی بھی عمل کرے تو اس میں اس کا ضرور کوئی ذاتی مقصد و مفاد ہوتا ہے پھر جتنا بڑا عمل ہو گا اتنا ہی بڑا اس کا مقصد و مفاد ہو گا۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر آپ ﷺ کوئی جھوٹے نبی ہوتے تو وہ اپنی نبوت منوانے میں مکمل طور پر کامیاب ہو چکے تھے، مگر اتنے بڑے عمل کی اتنی واضح کامیابی حاصل کرنے کے بعد آپ ﷺ کا کوئی بھی ذاتی مقصد اور مفاد نظر نہیں آتا۔ اس بات میں بھی آپ ﷺ کے پیغمبر ہونے کی عقلی دلیل ہے۔

⑭ آپ ﷺ کے پیغمبر ہونے کی ایک عقلی دلیل ان باتوں سے بھی ملتی ہے کہ آپ ﷺ نے جتنے بھی دنیاوی کردار مثلاً: بطور ایک شوہر، بطور ایک ہمسایہ، بطور ایک دوست، بطور ایک معلم، بطور ایک سپہ سالار وغیرہ کے کیے ان میں سے کسی

بھی کردار میں کوئی کمی نظر نہیں آتی۔ اس سے یہ عقلی اشارہ ملتا ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی راہنمائی میسر تھی۔

⑮ ظاہری اسباب میں کمزور ہونے کے باوجود آپ ﷺ مخالفت و مقابلہ کر رہے ہیں اس دور کے یہود سے بھی، عیسائیوں سے بھی، مشرکینِ مکہ سے بھی، منافقینِ مدینہ سے بھی اور اس دور کے برے رسم و رواج سے بھی یعنی ایسی دشمنی جو اس وقت کے تمام گروہوں کے ساتھ تھی۔ اگر آپ ﷺ پیغمبر نہ ہوتے تو وہ ضرور کسی نہ کسی گروہ کی تعریف کرتے اور اس کا ساتھ حاصل کرتے اور برے رسم و رواج کی تو بالکل بات نہ کرتے۔ اس بات میں بھی آپ ﷺ کے پیغمبر ہونے کی عقلی دلیل ہے۔

⑯ آپ ﷺ کے پیغمبر ہونے کی ایک عقلی دلیل میں نے ان کے اس عمل میں پائی کہ جب بھی آپ ﷺ سونے کا ارادہ کرتے تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے، اس سے دعا کرتے اور جب نیند سے بیدار ہوتے تو اس وقت بھی سب سے پہلا کام یہی کرتے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے، اس کی حمد کرتے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف اس قدر رغبت رکھنے والا شخص یا تو فرشتہ ہوسکتا ہے یا پھر پیغمبر۔

⑰ حضرت محمد ﷺ کے پیغمبر ہونے کی ایک عقلی دلیل یہ بھی ہے کہ بطور ایک جج کے پوری زندگی میں ان سے ایک بھی غلط فیصلہ سرزد نہ ہوا۔ جب کہ کوئی بھی جج اس غلطی سے نہیں بچ سکتا۔

⑱ اپنی امت کے ہر شخص کے لیے آپ ﷺ نے یہی حکم دیا ہے کہ اس کا مال اس کے مرنے کے بعد اس کی اولاد یا قریبی رشتے داروں کو ملے مگر اپنے مال کے متعلق فرمایا کہ پیغمبروں کی کوئی وراثت نہیں ہوتی جو ان کی اولاد یا رشتے داروں کو منتقل ہو۔ اس بات میں بھی آپ ﷺ کی پیغمبر ہونے کی عقلی دلیل ہے۔

⑲ دنیا میں آج تک ایک بھی حاکم ایسا نہ گزرا کہ جو اپنا خلیفہ منتخب کرنے کا اختیار تو رکھتا ہو مگر پھر بھی اپنی آل و اولاد سے کسی کو اپنا خلیفہ منتخب نہ کرے۔ جبکہ آپ ﷺ کی آل و اولاد میں حکومت چلانے کی تمام اچھی صفات بھی موجود تھی لیکن پھر بھی آپ ﷺ نے اختیار رکھنے کے باوجود اپنا خلیفہ مقرر نہ کیا اور اس عمل میں دنیا میں ایک مثال بنے۔ اس میں بھی آپ ﷺ کے پیغمبر ہونے کی عقلی دلیل ملتی ہے۔

⑳ آپ ﷺ کا اندازِ بیاں اور وعظ و نصیحت کے طریقے سے بھی آپ ﷺ کے پیغمبر ہونے کی عقلی دلیل ملتی ہے۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے احادیث کی شکل میں جو پیشین گوئیاں کیں اور ان تمام پیشین گوئیوں کے پورے ہونے میں بھی آپ ﷺ کے پیغمبر ہونے کے عقلی دلائل موجود ہیں، لیکن اس کے لیے قارئین کو کتبِ حدیث کا مطالعہ کرنا پڑے گا۔

آپ ﷺ کے پیغمبر ہونے کے عقلی دلائل تو اور بھی ہیں مگر بات یہ ہے کہ ماننے والے کے لیے تو دو، چار دلائل ہی کافی ہوتے ہیں اور نہ ماننے والوں کے لیے سو دلائل بھی کم ہوتے ہیں۔ قارئین سے گزارش ہے کہ ان دلائل کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے دو، تین مرتبہ پڑھیں۔

دین اسلام کی خصوصیات

کسی بھی دین کے متعلق صحیح طور پر رائے اسی وقت دی جا سکتی ہے جب اس کی سب سے معتبر کتاب کو غور سے پڑھا جائے۔ کسی دین سے منسلک لوگوں کی طرف دیکھ کر یا اس دین کے متعلق میڈیا یا کسی شخص سے سن کر کوئی رائے اختیار کرنا درست

نہیں۔ اس کتاب میں موجود میری ذاتی ''ہدایت کی آپ بیتی'' سے بھی یہی سبق ملتا ہے۔ میں نے مطالعہ تو تین چار مذاہب کی کتابوں کا کیا ہے مگر سرسری طور پر البتہ قرآن اور انجیل کو قدرے غور سے پڑھا ہے اور میں نے محسوس کیا ہے مبلغین کو ان دونوں کتابوں کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ لیکن یہاں میں نے مبلغین کے لیے دین اسلام کی چند ایسی خوبیاں تحریر کرنا چاہتا ہوں جو کہ کسی اور دین میں نہ ہوں۔ مگر اس سے پہلے ایک بار پھر دین کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ دین نام کی کوئی چیز نہیں اور دین کو ختم کر دیا جائے تو پھر نیکی و بدی کے دونوں الفاظ بھی ختم ہو جائیں گے اور اگر یہ الفاظ باقی رہ بھی جائیں تو نہ تو ان الفاظ کی کوئی اہمیت ہی رہے گی اور نہ ہی کوئی شخص ان الفاظ کے معانی و مفاہیم ہی بتا سکے گا۔

اس طرح دنیا میں فساد کا برپا ہونا ایک لازمی امر ہوگا۔ ایک کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے جو کہ دین کے خلاف لکھی گئی تھی اس موضوع کے متعلق ایک سوال میری نظروں سے گزرا تھا وہ یہ: ''کیا انسان دین اور دین میں موجود جنت کے لالچ اور جہنم کے ڈر کے بغیر کوئی نیک عمل نہیں کر سکتا؟''

اس سوال پر غور و تدبر کے بعد میرے ذہن میں جو باتیں آئیں وہ یہ تھیں کہ ہر دین میں لوگوں کی بڑی تعداد ہوتی ہے اور ہر شخص کی اپنی اپنی سوچ ہوتی ہے، ان میں بڑی تعداد تو ایسے لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے کہ جو جہنم کے خوف سے برے اعمال سے بچتے ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لوگوں کی کچھ قلیل سی تعداد صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے نیک اعمال کرتے ہوں اور برے اعمال سے بچتے ہوں۔ مگر یہ ممکن نہیں کہ کوئی بھی شخص بغیر کسی لالچ یا ڈر کے نیک اعمال کرے اور گناہوں سے بچے، کیونکہ دنیا میں آج تک ایک بھی شخص ایسا نہیں گزرا جو

بغیر کسی لالچ، ڈر یا مجبوری کے کوئی عمل کرتا ہو یا بغیر کسی خواہش یا ضرورت کے اپنا مال خرچ کرتا ہو۔ فرق صرف یہ ہے کہ بعض اعمال کی وجوہات کا لوگوں کو علم ہوتا ہے اور بعض کا نہیں۔ مثلاً: جذباتی فیصلہ، ریاکاری، شہرت، بعض بری خواہشات، جنت کا لالچ، جہنم کا خوف وغیرہ۔ یہ ایسی وجوہات ہیں کہ اگر یہ مخفی ہوں تو ان کا لوگوں کو علم ہونا مشکل ہے۔

مزید یہ کہ اگر انسان بغیر کسی لالچ کے اچھے اعمال کرنے والا ہوتا اور بغیر کسی خوف کے برے اعمال سے بچنے والا ہوتا تو آج کی باشعور اور ترقی یافتہ دنیا میں کوئی ایک ملک ایسا ضرور ہوتا جہاں لوگوں کو جرائم سے روکنے کے لیے نہ تو سزا کا کوئی قانون ہوتا اور نہ ہی ملک کو چلانے اور اس کی حفاظت کے لیے مختلف اداروں کے ملازمین کے لیے تنخواہوں کا کوئی لالچ ہوتا۔

میرے ان دلائل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا کی اصلاح اور لوگوں کی بہتری کے لیے دین، دین میں موجود جہنم کا خوف اور جنت کا لالچ انتہائی ضروری ہے۔

اب میں دین اور دین اسلام کی اہمیت کو مزید واضح کرنے کے لیے قارئین سے چند سوالات کروں گا۔ قارئین کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کوئی بھی جواب دے سکتے ہیں، مگر ان پر پابندی اس بات کی ہے کہ تمام سوالات کا ایک ہی جواب ہونا چاہیے تاکہ کسی چیز کی مکمل ہار یا مکمل جیت کی شکل میں نتیجہ اخذ کیا جا سکے۔

سوالات مختلف اقسام کے ہیں مگر زیادہ تر سوالات انسان کے دنیاوی مفادات کو سامنے رکھ کر کیے گئے ہیں۔ کیونکہ انسان کے لیے اس کے ذاتی اور دنیاوی مفادات سے بڑھ کر کوئی بھی موضوع اہم نہیں۔ جوابات کی تلاش میں آسانی پیدا کرنے کے لیے قارئین کے سامنے میں چھ چیزوں کو مقابلے کے طور پر پیش کر رہا ہوں:

① انسانی عقل۔ ② سائنس وٹیکنالوجی۔
③ مال و دولت۔ ④ دین اسلام۔
⑤ کوئی بھی دین۔ ⑥ کوئی بھی ذاتی رائے۔

تو آپ ان چھ چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو سب سے اہم اور ضروری سمجھتے ہیں؟

① نشے جیسی بری عادت کی روک تھام کے لیے؟
② غریب اور کمزور لوگوں کو سہارا دینے کے لیے؟
③ دنیا میں امن قائم کرنے کے لیے؟
④ ملک میں جائز احتجاج ہو مگر اسے پر امن رکھنے کے لیے؟
⑤ ڈکیتی، قتل، چوری، ظلم اور فحاشی سمیت تمام جرائم کی روک تھام کے لیے؟
⑥ حکومت اور اس کے قوانین کی عزت کروانے کے لیے؟
⑦ خودکشی کی روک تھام کے لیے؟
⑧ غم اور پریشانیوں سے نجات حاصل کر کے ذہنی طور پر پرسکون زندگی گزارنے کے لیے؟
⑨ علم و عقل کو ترقی دینے کے لیے؟
⑩ اولاد کو والدین کے تابع کرنے کے لیے؟
⑪ دولت کو چند ہاتھوں میں اکٹھا نہ ہونے دینے کے لیے؟
⑫ لالچ، خودغرضی اور دکھاوے کو ختم کرنے کے لیے؟
⑬ عدل اور سچ گوئی سے اچھا معاشرہ تشکیل دینے کے لیے؟
⑭ کنجوسی اور فضول خرچی کو ختم کرنے کے لیے؟
⑮ دنیا میں عیش پرستی کی زندگی گزارنے کے لیے؟

⑯ عورتوں کو جائز آزادی، حقوق اور آرام دہ زندگی دینے کے لیے؟

⑰ رشوت کے خاتمے کے لیے؟

⑱ اچھی حکومت قائم کرنے کے لیے؟

⑲ غصے میں انسان بہت سی غلط حرکات کر گزرتا ہے غصے کو کنٹرول میں رکھنے کے لیے؟

⑳ ملازمین سے بہتر اور پوری ڈیوٹی لینے کے لیے؟ وغیرہ وغیرہ

اب میں یہاں آپ کے فیصلے سے قطع نظر ہو کر دین اسلام کی چند ایسی خوبیوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو کہ کسی دوسرے دین میں نہ ہوں:

① دین اسلام کی ایک بڑی خوبی تو یہ ہے کہ اس کے پاس ایسی الہامی کتاب ہے جو کہ چودہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی اتنی محفوظ ہے کہ اس میں ایک بھی لفظ کی کمی یا زیادتی نہیں ہوئی اور جس زبان میں نازل ہوئی وہ زبان بھی محفوظ ہے اور ان باتوں کو غیر مسلم بھی تسلیم کرتے ہیں۔

② دین اسلام کی ایک خوبی یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ جیسا شخص اس کا مبلغ ہے، جس میں دینی اور دنیاوی لحاظ سے کوئی کمی نہ تھی، جس کے تمام اقوال و افعال حدیث کی شکل میں ایک معجزانہ طریقے سے محفوظ کیے گئے۔ جسے تمام نبیوں پر فضیلت دی گئی، جس کے پیغمبر ہونے کے دلائل تقریباً تمام مذاہب کی کتابوں میں موجود ہیں، کیونکہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں اور جنھوں نے اپنی صرف 23 سال کی تبلیغ سے اس دین کو اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کے ساتھ غلبہ دلایا اور اس کے تمام احکامات کو لاگو کر کے دکھایا اور اس عمل میں دنیا کے پہلے شخص قرار پائے۔

③ دین اسلام کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہ اپنی تعلیمات و احکامات کے لحاظ سے سب دینوں سے زیادہ جامع ہے اکثر دین عقائد و عبادات کی حد تک احکامات رکھتے

ہیں یا پھر زیادہ سے زیادہ بعض معاشرتی تعلیمات رکھتے ہیں، مگر دین اسلام عقائد، عبادات، تجارت، حکومت، قانون، معاشرہ اور انفرادی و اجتماعی زندگی سمیت تمام معاملات کے متعلق احکامات و راہنمائی مہیا کرتا ہے۔

④ دین اسلام ذات و صفات اور طاقت کے لحاظ سے خدا کا جو تصور پیش کرتا ہے وہ لامحدود ہے یعنی انسانی ذہن اس کا ادراک نہیں کر سکتا، جب کہ باقی ادیان خدا کا جو تصور پیش کرتے ہیں وہ دین اسلام کی نسبت بہت کمزور اور محدود ہے۔

⑤ اکثر دین سائنس اور فلسفے جیسے علوم کا سامنا نہ کر سکے اور ان سے مار کھا کر کمزور پڑ گئے جب کہ دین اسلام نے ہر دور میں ان جیسے علوم کا مقابلہ کیا اور اپنے آپ کو قائم رکھا۔

⑥ علم و عقل اور تحقیق کے ساتھ اس وقت دنیا کا سب سے زیادہ پھیلنے والا دین دین اسلام ہے۔ باقی ادیان وقت گزرنے کے ساتھ یا تو کمزور ہو رہے ہیں یا پھر ٹھہراؤ کا شکار ہیں جب کہ دین اسلام پھیل رہا ہے۔

⑦ دین اسلام کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ یہ اکثر ادیان کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔ عقائد و ایمانیات کے لحاظ سے بھی اور احکام و تعلیمات کے لحاظ سے بھی نیز دین اسلام کی پیروی کرنے والوں کے لیے لازمی ہے کہ وہ تمام الہامی کتابوں پر ایمان رکھیں اور تمام پیغمبروں کی عزت کریں۔ نیز یہی دین تمام پیغمبروں کو دے کر بھیجا گیا تھا، البتہ چند احکام کا فرق تھا یعنی یہی دین لے کر آئے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور یہی دین تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جیسا کہ قرآن مجید کی سورت الحج کی آیت نمبر 78 میں درج ہے:

۞ ''اور اللہ کی راہ میں ویسا ہی جہاد کرو جیسے جہاد کا حق ہے، اسی نے تمھیں برگزیدہ

بنایا ہے اور تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں ڈالی، دین اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کا قائم رکھو، اسی اللہ نے تمھارا نام مسلمان رکھا ہے، اس قرآن سے پہلے او راس میں بھی تا کہ پیغمبر تم پر گواہ ہو جائے اور تم تمام لوگوں کے گواہ بن جاؤ۔ پس تمھیں چاہیے کہ نمازیں قائم رکھو اور زکات ادا کرتے رہو اور اللہ کو مضبوط تھام لو، وہی تمھارا ولی اور مالک ہے، پس کیا ہی اچھا مالک ہے اور کتنا ہی بہتر مددگار ہے۔[الحج: ۷۸]

⑧ دین اسلام میں حکومتی نظام کے جو چند بڑے اصول ہیں، ان میں سے ایک اصول یہ ہے کہ ملک کا سربراہ پابند ہوتا ہے۔شوریٰ (ایک خاص جماعت) کا اور شوریٰ اپنی مشاورت سے کوئی بھی فیصلہ کرسکتی ہے لیکن وہ قرآن و حدیث کا پابند ہوتی ہے، یعنی اس کی مخالفت نہیں کرسکتی۔ آج سے چودہ سو سال گزر جانے کے بعد اسی اصول پر امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک کی حکومت عمل کر رہی ہے، یعنی امریکی صدر پابند ہوتا ہے ایک جماعت کا جسے وہ کانگرس کہتے ہیں اور کانگرس اپنی مشاورت سے کوئی بھی فیصلہ کرسکتی ہے، لیکن وہ پابند ہوتی ہے اپنے آئین کی یعنی وہ اپنے ملکی آئین کی خلاف ورزی نہیں کرسکتی۔ اس طرح اسی ایک پوائنٹ کا فرق ہے کہ ایک جماعت قرآن و حدیث کی پابند ہے اور دوسری جماعت آئین کی پابند ہے، اگرچہ اس چھوٹے سے فرق سے ملک کے حالات وقوانین میں تو زمین و آسمان کا فرق پیدا ہو جاتا ہے البتہ اصول ایک ہی ہے اور میں نے اس بات سے یہ اخذ کیا ہے کہ دین اسلام وہ واحد دین ہے جو کہ ایک ترقی یافتہ نظامِ حکومت رکھتا ہے اور یہ خوبی دین اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین میں نہیں پائی جاتی۔

یہاں میں نے دین اسلام کی چند ایسی خوبیاں بیان کی ہیں جو کہ صرف اور

صرف اسی دین میں پائی جاتی ہیں اور اس کے علاوہ کسی اور دین میں نہیں پائی جاتیں، لیکن اگر پورے دین کی خوبیوں کا ذکر کیا جائے تو ان کی تعداد تو بہت زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دین کو اس طریقے پر ترتیب دیا ہے کہ کوئی اسے کبھی بھی مغلوب نہ کر سکے گا نہ جنگ سے اور نہ دلائل سے۔ جنگ کی ایک مثال افغانستان میں طالبان اور امریکہ کی شکل میں آپ کے سامنے ہے اور دلائل کی ایک مثال ڈاکٹر ذاکر نائیک کی شکل میں موجود ہے۔

نوٹ: اس کتاب میں یہاں تک میں نے دین اسلام کے حق میں زیادہ تر جو دلائل دیئے ہیں وہ عقلی ہیں جن کی تعداد تقریباً 50 ہے جو کہ نہ ماننے والوں کے لیے بہت کم اور ماننے والوں کے لیے بہت زیادہ ہے اور اس کتاب کے آگے والے حصے میں قرآن و حدیث سے وہ دلائل دیئے گئے ہیں کہ جن پر عمل کیے بغیر کامیابی ممکن نہیں۔

پریشانیوں سے بچاؤ مگر کیسے؟

یہ موضوع اس کتاب کے ساتھ صحیح طور پر میچ نہیں کرتا۔ اس موضوع کو اس کتاب میں شامل کرنے کا مقصد اس کتاب کے تمام قارئین کو کچھ نہ کچھ دنیاوی فائدہ پہنچانا ہے۔ کیونکہ انھوں نے اپنی زندگی کے کچھ گھنٹے اس کتاب کے پڑھنے میں صرف کیے ہیں یہ اس کی قیمت ہے۔

تقریباً ہر انسان میں پریشانیوں سے بچنے کی شدید خواہش پائی جاتی ہے مگر اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہوتی اگرچہ اس کے پاس مال و دولت، علم و عقل اور حکومت جیسی چیزیں بھی ہوں، لیکن میری اس تحریر کو پڑھنے کے بعد اس کی دنیاوی پریشانیوں میں واضح کمی آجائے گی۔ ویسے تو پریشانیوں سے بچنے کے لیے ایک قول

پہلے ہی موجود ہے وہ یہ کہ اگر انسان اپنی خواہش چھوڑ دے تو وہ کبھی پریشان نہ ہوگا۔ لیکن اس قول کو عملی جامہ پہنانا تقریباً ناممکن ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی اس قول پر عمل کرے تو اس کی دنیاوی زندگی، زندگی ہی نہیں رہتی کیونکہ اگر دنیاوی زندگی سے خواہش ختم ہو جائے تو اس کی حرکت رک جاتی ہے اور اس کی رونق ختم ہو جاتی ہے۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان کی خواہشات کو مکمل طور پر ختم کیے بغیر اسے پریشانیوں سے بچایا جائے۔

پریشانیوں سے بچنے کے لیے ہمیں سب سے پہلے یہ غور کرنا پڑے گا کہ پریشانی ہوتی کیا ہے؟ ویسے تو کوئی بھی ایسا عمل جو انسان کو حیران و عاجز کر دے یا اس کے اندر بے چینی اور فکر مندی پیدا کر دے ایسا ہر عمل پریشانی کہلاتی ہے۔ اگرچہ یہ پریشانی کی جامع تعریف ہے مگر صحیح طور پر درست نہیں۔ میرے نزدیک پریشانی کی ایک اور تعریف یہ ہے کہ ایسا کوئی بھی عمل جو کسی انسان کی پوری زندگی یا کم از کم چوتھائی (1/4) زندگی کو سخت متاثر کر دے مثلاً کوئی حادثہ، بڑی بیماری، 12 یا 15 سال کے لیے جیل جانا، موت کا آنا، اتنی دولت کا ضائع ہو جانا جو کہ 15 سال میں کمائی گئی ہو، اپاہج ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔ ایسے عمل کو پریشانی کہتے ہیں۔

اس طرح میری پریشانی کی پہلی تعریف کے مطابق انسان کی پوری زندگی ہی ایک پریشانی ہے جب کہ میری دوسری تعریف کے مطابق اکثر انسانوں کی زندگی میں کوئی پریشانی نہیں رہتی۔ یعنی ہم لوگوں کو کوئی پریشانی نہیں آتی، بلکہ ہم اپنے آپ کو خود پریشان کرتے ہیں، مثلاً اگر کوئی شخص ہر ماہ ایک لاکھ روپے کماتا ہے اور اس کا 5000 کا نوٹ گم ہو جائے تو وہ شخص اس نوٹ کی وجہ سے 5000 گھنٹے پریشان رہے گا، حالانکہ اگر وہ شخص سوچے تو اس نوٹ کی وجہ سے اس کی زندگی میں کوئی فرق

واقع نہیں ہوتا اور اس کا پریشان ہونا ایک بے وقوفی ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح بہت سی پریشانیاں ہمارے اپنے ذہن کی پیداوار ہوتی ہیں کہ اگر فلاں کام ایسے ہو گیا تو فلاں مصیبت واقع ہو جائے گی اور اگر ایسے ہو گیا تو فلاں۔ اس لیے ہمیں غور کرنا چاہیے کہ جسے ہم پریشانی سمجھ رہے ہیں وہ پریشانی ہے بھی یا نہیں۔ اب میں پریشانیوں سے بچنے میں مدد مہیا کرنے والے مزید 20 اقوال درج کر رہا ہوں، اگر کوئی شخص ان اقوال میں سے صرف پانچ، چھ اقوال ہی پر عمل کر لے تو وہ اپنی تمام خواہشات کو ترک کیے بغیر تقریباً 75 فیصد پریشانیوں سے بچا رہے گا۔

① علم و عاجزی رکھنے والوں کی صحبت کو لازمی اختیار کریں اور دولت مندوں کے ساتھ بیٹھنے سے مکمل طور پر اجتناب کریں۔

② کنجوسی، لالچ، خوف اور فضول خرچی۔ ان چار چیزوں میں سے اگر ایک بھی چیز کسی شخص میں پائی جائے تو اس کا پریشان ہونا ایک لازمی امر ہے۔ ان چاروں چیزوں سے چھٹکارا پانے کے لیے ہر ایک، دو ماہ بعد ایک جانور خرید کر اسے اپنے ہاتھ سے ذبح کریں اور اس کے گوشت کو غریب لوگوں میں تقسیم کر دیں۔ امید ہے کہ ایک سال تک یہ عمل کرنے سے آپ کو ان چاروں چیزوں سے چھٹکارا مل جائے گا۔

③ خود پر اعتماد کرتے ہوئے زندگی گزاریں، ہر وہ عمل جو لوگوں سے ڈر کر یا دکھاوے کے لیے کیا جائے اسے چھوڑ دیں۔

④ کوئی بھی چیز وہ چھوٹی ہو یا بڑی، اسے ضرورت کے وقت نہ خریدیں، بلکہ اس وقت خریدیں جب اس کو خریدنا ایک مجبوری بن جائے۔

⑤ کسی بھی کام کو جلد بازی سے مت کریں۔ آرام، سکون اور تحمل سے کریں۔

⑥ اگر آپ اپنی آمدن سے ایک قدم پیچھے رہ کر خرچ کریں گے تو بغیر سخت مشقت اور پریشانی کے امیر ہوتے چلے جائیں گے مگر وقت لگے گا اور اگر آپ اپنی آمدن سے ایک قدم آگے ہو کر زندگی گزاریں گے تو پریشان رہیں گے۔

⑦ رشتے داری ہمیشہ غریب لوگوں سے کریں مگر عقل مند اور عزت دار ہوں اور لالچی نہ ہوں۔

⑧ غریب آدمی امیر شخص کی غلامی کرتا ہے اور امیر شخص اپنے سے زیادہ امیر کی غلامی کرتا ہے، پس جو بھی غلام ہوگا وہ پریشان ہوگا۔

⑨ مکان انتہائی چھوٹا بنائیں، ڈبل سٹوری نہ بنائیں، تین کمروں سے زائد کمرے نہ بنائیں، کیونکہ بڑا مکان نہ صرف تعمیر کے وقت دولت کے ضیاع کی وجہ سے بنتا ہے بلکہ پوری زندگی صفائی اور دیکھ بھال کی شکل میں پریشانی کا باعث بھی بنتا ہے۔

⑩ گھر میں صرف وہی سامان رکھیں جسے آپ کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ فالتو سامان سے جان چھڑا کر وقت اور پیسہ بچائیں، کیونکہ یہ چیزیں پریشانی کا باعث بنتی ہیں۔

⑪ آپ کی زندگی نہ تو زیادہ مصروف ہو نہ بالکل فارغ بلکہ ان دونوں کے درمیان میں ہونی چاہیے۔

⑫ کاروبار کو ملازمت پر ترجیح دیں اور کاروبار اپنی طبیعت کے مطابق کریں۔ جلد بازی نہ کریں اور اپنے لالچ پر کنٹرول رکھیں۔

⑬ جھوٹ، غیبت اور فضول بولنے سے اجتناب کریں۔ ہمسائیوں اور گلی محلے کے حقوق کا خیال رکھیں۔

⑭ ادھار کا لین دین ضرور کریں مگر چھوٹے پیمانے پر کریں اور احتیاط سے کریں۔

⑮ کسی پریشانی کو دور سے دیکھ کر پریشان نہ ہوں کیونکہ ایک عربی کہاوت ہے کہ ہر چیز دور سے دیکھنے پر چھوٹی نظر آتی ہے مگر جب قریب پہنچتی ہے تو بڑی ہو جاتی ہے لیکن پریشانی ایک ایسی چیز ہے کہ جو دور سے دیکھنے پر بڑی نظر آتی ہے لیکن جب قریب پہنچتی ہے تو چھوٹی ہو جاتی ہے۔

⑯ اگر گھر میں عدل اور برداشت ہو تو خاندانی نظام اپنانے سے پریشانیوں میں کمی آئے گی اور اگر یہ دونوں چیزیں نہ ہوں تو خاندانی نظام سے پریشانیوں میں اضافہ ہوگا۔

⑰ ایک زندگی سے چار زندگیوں کو سنوارنے کی کوشش ضرور کریں مگر سخت کوشش نہ کریں۔

⑱ زندگی میں سخت فیصلے لینے سے پہلے دس ماہ تک سوچ و بچار کریں اور نرم فیصلے لیتے وقت دس منٹ تک سوچ و بچار کریں۔

⑲ بچوں کی پیدائش اور ان کی شادی میں جلدی کریں۔

⑳ اس درخت کی مانند اپنی زندگی میں برداشت اور لچک پیدا کریں کہ جس پر جب تیز آندھی آتی ہے تو وہ تھوڑا جھک جانے کی وجہ سے نہیں ٹوٹتا، اگر کوئی ہوا اس پر کچھ گرد ڈالتی ہے تو کوئی ہوا اور بارش اس گرد کو صاف کر دیتی ہے۔ اس درخت کو اپنی خوراک حاصل کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کرنا پڑتا۔ یعنی اپنے دنیاوی معاملات کی وجہ سے اپنے آپ کو زیادہ پریشان نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ معاملات میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے۔ مزید یہ کہ انسانی عقل پریشانیوں پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتی ہے اور میں نے اسے اس معاملے میں تین درجوں میں تقسیم کیا ہے۔ ان میں سے ابتدائی درجے کی عقل پریشانیوں میں کمی کا باعث بنتی ہے اور درمیانے درجے کی عقل زیادہ پریشانیوں کا باعث بنتی ہے جبکہ تیسرے درجے کی

عقل کے پاس تقریباً ہر پریشانی کا حل ہوتا ہے۔

ان سب باتوں کو اگر آپ زبانی یاد کر لیں تو اس سے آپ کی زندگی میں سے ایک بھی پریشانی کم نہ ہوگی لیکن عمل اگر چار، پانچ باتوں پر بھی کر لیں تو کافی ہے اور اگر آپ ایک اچھے دین دار ہیں تو نہ تو آپ کو یہ صفحات پڑھنے کی ضرورت ہے اور نہ ان باتوں پر عمل کرنے کی کوئی ضرورت ہے۔ آپ صرف دین کو اچھے اور مضبوط طریقے سے پکڑے رکھیں، اللہ تعالیٰ خود ہی آپ کی 90 فیصد پریشانیوں کو ختم کر دے گا۔

مزید یہ کہ ان باتوں پر عمل کرنا بہت مشکل ہے، مگر دین پر عمل کرنے والے شخص کے لیے نہیں، کیونکہ ان اقوال میں سے تقریباً ایک بھی قول ایسا نہیں جس میں دین اسلام کی راہنمائی موجود نہ ہو۔

شرک کیا ہے؟

شرک کے متعلق میں اس لیے لکھ رہا ہوں کہ یہ وہ واحد گناہ ہے جسے نہ تو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے گا اور نہ ہی شرک کرنے والے شخص کی کوئی شفاعت کر سکے گا۔ یہاں میں سب سے پہلے شرک کی مختصر مگر جامع تعریف پیش کروں گا جو میں نے قرآن مجید کی مختلف آیات یا احادیث سے اخذ کی ہے اور ایسی آیات و احادیث کو میں نے ان صفحات میں بھی بیان کیا ہے مگر مختصر۔

شرک کی تعریف:

''اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، اختیارات، عبادات، احکامات اور حقوق وغیرہ میں کسی کو شریک (شامل) کر دینا یا کسی بھی چیز مثلاً اپنی جان، مال، اولاد، خواہش، ملک اور برادری وغیرہ کی محبت برابر ہو جائے اللہ

کے، اس کے دین کے یا اس کے رسول کی محبت کے، تو یہ شرک ہے اور جس شخص میں شرک ہو اسے مشرک کہتے ہیں۔''

ایک شخص خواہ کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو، اگر مشرک ہو گا تو اس کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے اور ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا، جبکہ اس کے برعکس ایک شخص کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو وہ جنت میں ضرور جائے گا، خواہ شفاعت کی وجہ سے پہلے ہی چلا جائے یا اپنے گناہوں کی سزا پانے کے بعد جائے۔ اب میں قرآن و حدیث سے شرک کے متعلق کچھ معلومات قارئین کے سامنے پیش کروں گا:

- ''اللہ تعالیٰ قطعاً نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جائے، ہاں شرک کے علاوہ گناہ جس کے چاہے معاف فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنے والا بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔'' [النساء: ١١٦]
- ''آپ کہہ دیجیے کہ اے اہلِ کتاب! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں، پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔'' [آل عمران: ٦٤]

اس آیت میں آپس میں ایک دوسرے کو رب بنانے سے کیا مراد ہے؟ اور کیا اہلِ کتاب میں پائی جانے والی یہ خرابی آج ہم مسلمانوں میں بھی پائی جاتی ہے؟

- ''ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنا لیا ہے۔'' [التوبة: ٣١]
- اس آیت کی تفسیر حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث سے بخوبی ہو

جاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے یہ آیت سن کر عرض کی کہ یہود و نصاریٰ نے تو اپنے علما کی کبھی عبادت نہیں کی، پھر یہ کیوں کہا گیا کہ انھوں نے ان کو رب بنا لیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

''یہ ٹھیک ہے کہ انھوں نے ان کی عبادت نہیں کی لیکن یہ بات تو ہے کہ ان کے علما نے جس کو حلال قرار دے دیا اس کو انھوں نے حلال اور جس چیز کو حرام کر دیا اس کو حرام ہی سمجھا۔ یہی ان کی عبادت کرنا ہے (اور رب بنانا) ہے۔'' (جامع ترمذی)

اس حدیث میں آج کے مسلمانوں کے لیے بھی یہ سبق ہے کہ وہ فرقہ واریت چھوڑ کر خود علم حاصل کریں، اندھے ہو کر اپنے مولویوں اور علما کے پیچھے نہ چلیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:

- ''اے ایمان والو! اکثر علما اور عابد، لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روک دیتے ہیں۔'' [التوبة: ٣٤]
- ''بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کا شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہیے اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں۔ کاش کہ مشرک لوگ جانتے جب کہ اللہ کے عذاب کو دیکھ کر (جان لیں گے) کہ تمام طاقت اللہ ہی کو ہے اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔'' [البقرة: ١٦٥]
- ''اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ ان کو نفع پہنچا سکیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو

معلوم نہیں نہ آسمانوں میں نہ زمین میں وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے۔'' [یونس: ۱۸]

- ''جنھیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ نزدیک ہو جائے وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے خوف زدہ رہتے ہیں (بات بھی یہی ہے) کہ تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہی ہے۔'' [بنی إسرائیل: ۵۷]
- ''آپ کہہ دیجیے کہ میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں (البتہ) میری جانب وحی کی جاتی ہے کہ سب کا معبود صرف ایک ہی معبود ہے تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔'' [مریم: ۱۱۰]
- ''اور یہ نہیں کہ وہ تمھیں فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لینے کا حکم کرے، کیا وہ تمھارے مسلمان ہونے کے بعد تمھیں کفر کا حکم دے گا۔'' [آل عمران: ۸۰]
- ''کیا آپ نے اسے بھی دیکھا ہے جو اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہے۔ کیا آپ اس کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں۔'' [الفرقان: ٤٣]

یہ نفس پرستی کا شرک ہے جس سے بچنے والے لوگوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔

اب میں عام مسلمانوں کو یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ بعض مولوی ایک غلط فہمی میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس معاملے میں لوگوں کی گمراہی کا باعث بن رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ محمد ﷺ کی امت میں سے کوئی بھی شخص شرک جیسے کبیرہ گناہ میں مبتلا نہیں ہوگا اور وہ اپنی اس بات کو ثابت کرنے کے لیے یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مجھے تمھارے متعلق اس بات کا ڈر نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرنے لگو گے، البتہ مجھے ڈر ہے کہ تم ایک دوسرے کے مقابلے میں دنیا میں رغبت کرو گے۔'' (صحیح البخاری: 1344)

اس حدیث کے متعلق ایک عقلی دلیل تو یہ ہے کہ اس کے مخاطب صرف اور صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی تھے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اسی حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

''اس سے مراد یہ ہے کہ پوری امت مجموعی طور پر شرک میں مبتلا نہیں ہو گی ورنہ امتِ مسلمہ میں سے بعض کی طرف سے شرک واقع ہوا ہے۔'' (فتح الباری: 211/3)

عام قارئین کے لیے عرض کرتا چلوں کہ فتح الباری، صحیح البخاری کی سب سے معتبر شرح ہے اور اس بات پر تمام مسالک کے علمائے کرام متفق ہیں۔

ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کے معانی و مفہوم جیسی دو، چار اور احادیث بھی ہوں، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ قارئین کے لیے قرآن و حدیث سے ایسے کچھ دلائل دوں کہ وہ اس مسئلے کو بہتر طور پر سمجھ سکیں۔ اب میں یہاں قرآن و حدیث سے ایسے دلائل دوں گا، کہ جس سے ہمیں یہ معلوم ہو گا کہ محمد ﷺ کی امت میں سے بعض لوگ اور بعض گروہ شرک جیسے گناہ میں ضرور مبتلا ہوں گے۔

- ''جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کو نہیں ملایا، انھی لوگوں کے لیے امن ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔'' [الانعام: ۸۲]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس آیت مبارکہ کے نزول پر ہم نے پریشان ہو کر رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ وہ کون ہے جو ظلم سے بچا ہو گا تو

آپ ﷺ نے فرمایا:

''اس سے مراد عام ظلم نہیں بلکہ شرک مراد ہے۔'' (صحیح البخاری: 4629)

- ''(اے ایمان والو!) اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو کر اس سے ڈرتے رہو اور نماز کو قائم رکھو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔''[الروم: ۳۱]
- رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو کوئی مسلمان فوت ہو جائے اور اس کی نمازِ جنازہ میں چالیس ایسے لوگ شامل ہوں جو اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتے ہوں تو اللہ تعالیٰ اس مرنے والے کے حق میں ان لوگوں کی سفارش قبول فرما لیتا ہے۔'' (صحیح مسلم: 2198)

- نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات پہنچی:

''کچھ لوگ (بیعت رضوان والے) درخت کے پاس آ کر نمازیں ادا کرتے ہیں تو انھوں نے ان کو ڈرایا دھمکایا، پھر اس درخت کو کاٹنے کا حکم دیا، پس وہ کاٹ دیا گیا۔'' (فتح الباری: 448/7)

- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی، اس نے شرک کیا، جس نے دکھاوے کے لیے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لیے صدقہ کیا اس نے شرک کیا۔'' (سنن ابن ماجہ: 4204)

- نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

''اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا (کہ اس کی عبادت کی جائے) اللہ کی لعنت برسے ایسی قوم پر جنھوں نے اپنے انبیا کی قبروں پر مسجدیں

بنائیں۔'' (مسند احمد: 246/2)

- ابو واقد لیثی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب حنین کی طرف نکلے تو ایک (بیری کے) درخت کے پاس سے گزرے جسے ذات انواط کہا جاتا تھا، مشرکین اس پر اپنا اسلحہ لٹکاتے تھے (چند صحابہ رضی اللہ عنہ جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے) انھوں نے کہا: جس طرح ان کے لیے ذات انواط ہے، ہمارے لیے بھی اسی طرح کا ذات انواط بنا دیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

  ''اللہ اکبر! یہ تو اسی طرح ہے جیسے بنی اسرائیل نے کہا تھا: ہمارے لیے بھی ایک معبود مقرر کر دیں جس طرح ان کے معبود ہیں۔ البتہ ضرور تم پہلے لوگوں کے طریقوں پر چلو گے۔'' (جامع ترمذی: 2180)

- حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

  ''میرے پاس جبریل علیہ السلام تشریف لائے، انھوں نے مجھے اس بات کی بشارت دی کہ آپ ﷺ کی امت سے جو آدمی اس حال میں مرا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرتا تھا وہ جنت میں داخل ہوگا، میں نے کہا: اگر اس نے زنا اور چوری بھی کی ہو تب بھی جنت میں داخل ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگرچہ اس نے زنا اور چوری بھی کی ہو۔'' (بخاری: 1237)

- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

  ''اتنی دیر تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک میری امت کے قبائل مشرکین کے ساتھ نہ مل جائیں اور یہاں تک کہ میری امت کے قبائل بتوں کی عبادت کریں گے۔'' (سنن ابی داود: 4252)

ان بیان کی جانے والی تمام قرآنی آیات اور احادیث سے امتِ مسلمہ کا شرک ثابت ہوتا ہے۔ شرک سے بچنے کے لیے ہمیں کس قدر احتیاط کرنی چاہیے۔ اس کے لیے اس حدیث پر غور کریں:

''ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ سے کہا جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں،
تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تو مجھے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے،
یوں کہہ جو اکیلا اللہ چاہے۔'' (سنن نسائی)

نوٹ: شرک کو مزید بہتر طریقے سے سمجھنے کے لیے سورۃ الزمر کو ایک دو بار پڑھیں۔

جنت کیا ہے؟ اور وہ کیسے اعمال کرنے والوں کو ملے گی؟

- ''اور ہر انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی کوشش خود اس نے کی۔'' [النجم: ۳۹]

یہاں میں مختصر طور پر جنت کا تعارف کروانے کے بعد ان اعمال کا ذکر کروں گا جن کے کرنے سے جنت ملے گی۔ لیکن اس سے پہلے ہمیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کس مقصد کے لیے پیدا کیا؟

- ''(وہ اللہ) جس نے موت اور حیات کو اس لیے پیدا کیا کہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے کام کون کرتا ہے اور وہ غالب اور بخشنے والا ہے۔'' [الملك: ۲]
- ''ہم نے جن و انس کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔ [الذاریات: ٥٦]

اب میں مختصر طور پر جنت کا تعارف پیش کروں گا:

- حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی ایک مجلس میں موجود تھا، آپ ﷺ نے جنت کا حال بیان کیا یہاں تک کہ بے انتہا

تعریف کی پھر آخر میں فرمایا: جنت میں وہ نعمت ہے جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی انسان کے ذہن میں (اس کا خیال) گزرا۔ پھر اس آیت کو پڑھا: ''جن لوگوں کی کروٹیں بچھونے سے جدا رہتی ہیں اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کے عذاب سے ڈر کر اس کے ثواب کی طمع سے اور جو ہم نے ان کو دیا ہے اس میں خرچ کرتے ہیں تو کوئی نہیں جانتا جو چھپا کر رکھی گئی ہے، ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک یہ بدلہ ہے ان کے اعمال کا۔ (مسلم: 7135)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جنت کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں کے ساتھ مشابہ ہیں صورت اور نام میں مگر حقیقت ان کی اور ہے:

- حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: جنت کے لوگ کھاویں گے اور پئیں گے (مگر) نہ تھوکیں گے، نہ پیشاب کریں گے، نہ پاخانہ کریں اور نہ ناک سنکیں گے۔ لوگوں نے عرض کی: پھر کھانا کدھر جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک ڈکار ہوگی اور پسینہ آئے گا اس میں مشک کی خوشبو ہوگی اس سے کھانا تحلیل ہو جائے گا اور تسبیح اور تمہید کا الہام ہوگا جیسے سانس کا الہام ہوتا ہے۔ (مسلم: 7152)
- ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پکارے گا پکارنے والا (جنت کے لوگوں کو) مقرر تمھارے واسطے یہ ٹھہر چکا کہ تم تندرست رہو گے کبھی بیمار نہ پڑو گے اور مقرر (کہ) تم زندہ رہو گے کبھی نہ مرو گے اور مقرر (کہ) تم جوان رہو گے نہ کبھی رنج ہوگا اور یہی مطلب ہے خدا کے اس قول کا کہ بہشت والے آواز دیئے جائیں گے یہ تمھاری بہشت ہے، جس کے تم وارث ہوئے اس وجہ سے کہ تم نیک اعمال کرتے رہے۔ (مسلم: 7157)

❁ ''حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (جنت میں) ایک خیمہ ایک موتی کا ہوگا جس کی لمبائی ساٹھ میل اور اونچائی بھی ساٹھ میل ہوگی اس کے ہر کونے میں مسلمانوں کی بیبیاں ہوں گی جن کو دوسرے لوگ نہ دیکھ سکیں گے۔ (مسلم: 7160)

جنت کے مختصر تعارف کے بعد اب میں جنتی لوگوں کے اعمال ذکر کروں گا، یعنی کیسے اعمال کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و جنت کا وعدہ کیا ہے:

❁ ''الم۔ اس کتاب (کے اللہ کی کتاب ہونے) میں کوئی شک نہیں، پرہیز گاروں کو راہ دکھانے والی ہے۔ جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے (مال) میں سے خرچ کرتے ہیں اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ ﷺ کی طرف اتارا گیا اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں۔ [البقرۃ: ۱۔۵]

❁ ''یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے انھیں بناتے ہیں جو متقی ہوں۔ [مریم: ٦٣]

❁ ''اور جو لوگ کتاب کے پابند ہیں اور نمازوں کی پابندی کرتے ہیں ہم ایسے لوگوں کا جو اپنی اصلاح کریں ثواب ضائع نہ کریں گے۔ [الأعراف: ١٧٠]

❁ اور جنت پرہیز گاروں کے لیے بالکل قریب کر دی جائے گی ذرا بھی دور نہ ہوگی، یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہر اس شخص کے لیے جو رجوع کرنے والا پابندی کرنے والا ہو۔ جو رحمان کا غائبانہ خوف رکھتا ہو اور توجہ والا دل لایا ہو۔ تم اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ یہ ہمیشہ رہنے کا دن ہے۔ یہ وہاں جو

چاہیں انھیں ملے گا (بلکہ) ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے۔'' [قٓ: ۳۱۔۳۵]

- ایسے لوگوں پر جو کہ ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے رہے۔ جب کہ لوگ تقویٰ رکھتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں پھر پرہیز گاری کرتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں پھر پرہیز گاری کرتے ہوں اور خوب نیک عمل کرتے ہوں، اللہ ایسے نیکو کاروں سے محبت رکھتا ہے۔'' [المائدۃ: ۹۳]
- بے شک اس نے فلاح پالی جو پاک ہوگیا اور جس نے اپنے رب کا نام یاد رکھا اور نماز پڑھتا رہا۔'' [الأعلیٰ: ۱۴، ۱۵]
- ''وہ ایسے جو توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع اور سجدہ کرنے والے، نیک باتوں کی تعلیم دینے والے اور بری باتوں سے باز رکھنے والے اور اللہ کی حدوں کا خیال رکھنے والے ہیں اور ایسے مومنین کو آپ خوشخبری سنا دیجیے۔ [التوبۃ: ۱۱۲]
- ''ہاں میں انھیں بخش دینے والا ہوں جو توبہ کریں، ایمان لائیں، نیک عمل کریں اور راہِ راست پر بھی رہیں۔ [طٰهٰ: ۸۲]
- ''مومن مرد و عورت آپس میں ایک دوسرے کے (مددگار اور) دوست ہیں۔ وہ بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں، نمازوں کو پابندی سے بجا لاتے ہیں، زکات ادا کرتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کی بات مانتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ بہت جلد رحم فرمائے گا۔ بے شک اللہ غلبے والا حکمت والا ہے۔'' [التوبۃ: ۷۱]
- ''اور جو اپنی امانتوں کا اور اپنے قول و قرار کا پاس رکھتے ہیں اور جو اپنی گواہیوں

پر سیدھے اور قائم رہتے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ جنتوں میں عزت والے ہوں گے۔‘‘[المعارج: ۳۲۔۳۵]

ان تمام آیات سے درج ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

① اللہ تعالیٰ کے قاعدے و قانون کے مطابق ایسے اعمال کرنے والے لوگ جنت میں جائیں گے یا یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل کرسکیں گے۔

② یہ اعمال صرف وہی لوگ کرسکیں گے جو نماز کے پابند ہوں گے۔ یعنی نماز ایک ضروری عمل ہے، کیونکہ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ اسی عمل کا حکم دیا ہے۔

③ ان آیات میں ایک آیت ایسی بھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے نماز نہ پڑھنے والوں کو مشرکین میں شمار کیا ہے اور مشرک شخص کی نہ تو بخشش ہے اور نہ شفاعت۔

نوٹ: اگر آپ خود کو جنتی یا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق سمجھتے ہیں تو غور کریں کہ ان اعمال میں سے آپ کے اندر کتنے اعمال پائے جاتے ہیں۔

جہنم کیا ہے؟ اور وہ کیسے اعمال کرنے والوں کو ملے گی؟

۞ ’’اور ہم نے زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی چیزوں کو ناحق (بغیر مقصد کے) پیدا نہیں کیا۔‘‘[صٓ: ۲۷]

۞ کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے یونہی چھوڑ دیا جائے گا۔‘‘[القیامة: ۳۶]

یہاں میں جہنم اور جہنمیوں کا قرآن و حدیث کے مطابق مختصر تعارف کروانا چاہتا ہوں:

۞ ’’عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس دن

جہنم لائی جائے گی اس کی ستر ہزار باگیں ہوں گی اور ایک باگ کو ستر ہزار فرشتے کھینچتے ہوں گے۔ (یعنی کل فرشتے چار ارب نوے کروڑ ہوئے)۔'' (مسلم: 7164)

- ''ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر (جہنمیوں کے زخموں کی) پیپ کا ایک ڈول دنیا میں بہا دیا جائے تو دنیا والے بدبودار بن جائیں۔'' (مشکاۃ: 5682)
- ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنم میں کافر کے دو کندھوں کا درمیانی فاصلہ تیز رفتار سوار کی تین روز کی مسافت جتنا ہو گا۔'' ایک دوسری روایت میں ہے: ''کافر کی ڈاڑھ احد (پہاڑ) کی مثل ہو گی، اور اس کی جلد کی موٹائی تین رات کی مسافت جتنی ہو گی۔'' (مشکاۃ: 5672)
- ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تمھاری آگ جس کو آدمی روشن کرتا ہے اس میں گرمی کا ایک حصہ ہے جہنم کی آگ میں ایسے ستر حصے گرمی ہے۔'' (صحیح مسلم: 7165)
- ''نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنم والوں میں سے جس شخص کو سب سے ہلکا عذاب ہو گا وہ شخص وہ ہو گا جس کے جوتے اور تسمے آگ کے ہوں گے، جن کی وجہ سے اس کا دماغ اس طرح کھولتا ہو گا جس طرح ہنڈیا ابلتی ہے اور وہ خیال کرے گا کہ کسی شخص کو اس سے زیادہ عذاب نہیں ہو رہا، حالانکہ وہ سب سے ہلکے عذاب میں مبتلا ہو گا۔'' (صحیح البخاری: 6557)

جہنم کے اس مختصر سے تعارف کے بعد اب میں جہنمی لوگوں کی نشانیاں اور ان کے اعمال وغیرہ کے متعلق چند قرآنی آیات پیش کروں گا۔ ان آیات میں بیان

ہونے والی باتوں کا تعلق انسان کے عمل کے ساتھ ہے۔ یعنی ایسے اعمال کرنے والا شخص کوئی بھی ہو وہ جہنم میں جائے گا:

- ''اور تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑ دو اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑ دو۔ بلاشبہ جو لوگ گناہ کر رہے ہیں ان کو ان کے کیے کی عنقریب سزا ملے گی۔''[الأنعام: ١٢٠]
- ''تمھیں دوزخ میں کس چیز نے ڈالا، وہ جواب دیں گے کہ ہم نمازی نہ تھے اور نہ مسکین کو کھانا کھلاتے تھے۔''[المدثر: ٤٢۔٤٤]
- اس دن جھٹلانے والوں کے لیے سخت ہلاکت ہے۔ ان سے جب کہا جاتا ہے کہ رکوع کر لو تو نہیں کرتے۔''[المرسلات: ٤٧،٤٨]
- ''پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے کہ انھوں نے نماز ضائع کر دی اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے سو ان کا نقصان ان کے آگے آئے گا۔'' [مریم: ٥٩]
- ''پھر ہم پرہیز گاروں کو تو (جہنم سے) بچا لیں گے اور نافرمانوں کو اسی میں گھٹنوں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔''[مریم: ٧٢]
- ''بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ ایک کنارے پر (کھڑے) ہو کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اگر کوئی نفع مل گیا تو دلچسپی لینے لگتے ہیں اور اگر کوئی آفت آ گئی تو اسی وقت منہ پھیر لیتے ہیں۔ انھوں نے دونوں جہانوں کا نقصان اٹھایا۔ واقعی یہ کھلا نقصان ہے۔''[الحج: ١١]
- ''کیا ان لوگوں کا جو برے کام کرتے ہیں یہ گمان ہے کہ ہم انھیں ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے کہ ان کا مرنا جینا یکساں ہو جائے، برا ہے وہ فیصلہ جو یہ کر رہے ہیں۔''[الجاثیة: ٢١]

- ''یقیناً جس نے بھی برے کام کیے اور اس کی نافرمانیوں نے اسے گھیر لیا، وہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہے۔''[البقرۃ: ۸۱]
- ''اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے اور اس کی مقررہ حدوں سے آگے نکلے۔ اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ ایسوں ہی کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔''[النساء: ۱٤]
- ''اور جنھوں نے دنیا میں اپنے دین کو کھیل کود بنا رکھا تھا اور جن کو دنیاوی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔ سو ہم بھی آج کے روز ان کو بھول جائیں گے۔'' [الأعراف: ٥١]
- ''جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی زینت پر فریفتہ ہونا چاہتا ہو ہم ایسوں کو ان کے کل اعمال (کا بدلہ) یہیں بھرپور پہنچا دیتے ہیں اور یہاں انھیں کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ ہاں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں سوائے آگ کے اور کچھ نہیں اور جو کچھ انھوں یہاں کیا ہو گا وہاں سب اکارت ہے اور جو کچھ ان کے اعمال تھے سب برباد ہونے والے ہیں۔''[هود: ١٥،١٦]
- ''بات یہی ہے کہ جو بھی گناہ گار بن کر اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہو گا اس کے لیے دوزخ ہے جہاں نہ موت ہو گی نہ زندگی۔''[طٰهٰ: ٧٤]
- ''اور یقیناً بدکار لوگ دوزخ میں ہوں گے۔''[الأنفطار: ١٤]
- ''اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور کسی ایسے شخص کو جسے قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا ہو وہ بجز حق کے قتل نہیں کرتے، نہ وہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں اور جو کوئی یہ کام کرے وہ اپنے اوپر سخت وبال لائے گا۔''[الفرقان: ٦٨]
- ''بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لیے جو عیب ٹٹولنے والا غیبت کرنے والا ہو۔

جو مال کو جمع کرتا جائے گنتا جائے۔''[الهمزة: ۱،۲]

- ''ان نمازیوں کے لیے افسوس (اور ویل نامی جہنم کی جگہ) ہے جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔ جو ریا کاری کرتے ہیں اور برتنے کی چیز روکتے ہیں۔''[الماعون: ۵۔۷]

یہ اعمال جن لوگوں کے اندر بھی ہوں گے وہ ان آیات کی رو سے جہنمی ہیں خواہ ان کا تعلق کسی بھی دین سے ہو جب کہ ان آیات میں سے وہ آیات جن میں نماز کا ذکر ہے ان آیات کے مخاطب تو صرف اور صرف وہ مسلمان ہی ہیں جو جہنم میں جائیں گے:

- ''زمانے کی قسم! بے شک انسان سراسر نقصان میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور آپس میں حق کی وصیت اور صبر کی نصیحت کرتے رہے۔''[العصر: ۱۔۳]

جہنم سے بچنے اور جنت میں جانے کے لیے کم از کم ان چار شرائط کا ہونا ضروری ہے اگر کسی شخص میں ان چار شرائط میں سے ایک بھی کم ہوئی تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کے قاعدے و قانون کے مطابق جنت میں نہیں جا سکے گا۔ کیونکہ یہ بات اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر کہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس قاعدے و قانون کو مزید واضح کرنے کے لیے میں یہ حدیث پیش کر رہا ہوں جس کے ساتھ امام نووی رحمہ اللہ کی تشریح بھی ہے:

- ''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت گھیری گئی ہے ان باتوں سے جو نفس کو ناگوار ہیں اور جہنم گھیری گئی ہے نفس کی خواہشوں سے۔'' (صحیح مسلم: 7130)

''یعنی یہ دونوں حجاب ہیں جنت اور دوزخ کے پھر جو کوئی ان حجاب کو اٹھائے گا وہ ان میں جائے گا۔ نفس کو ناگوار باتیں جیسے عبادت، صبر،

جہاد، غصے کو روکنا وغیرہ اور نفس کی خواہشیں جیسے زنا، غیبت،، جھوٹ، کھیل کود وغیرہ۔'' (امام نووی رحمہ اللہ)

یہاں تک میں نے مختصر طور پر ایک مبلغ کے لیے آج کے دور کے مطابق بنیادی اور ضروری علم درج کرنے کی کوشش کی ہے اور اب میں ایک مبلغ کے لیے تبلیغ اور اس کے طریقہ کار وغیرہ کے متعلق کچھ گزارشات کرنا چاہتا ہوں۔ یعنی مبلغ میں کیا اوصاف ہونے چاہئیں، تبلیغ کے کیا طریقے کار ہونے چاہئیں، تبلیغ اور تبلیغی جماعتوں کی ناکامی کی کیا وجوہات ہیں وغیرہ وغیرہ۔

مبلغ کے اوصاف اور موجودہ دور میں تبلیغ کے طریقے

ہم مسلمانوں کو نماز پڑھنی چاہیے۔ میں تو بس ایک، دو دن میں نماز شروع کر دوں گا۔ یہ سوچ رکھنے والے لوگوں کی تعداد ہمارے معاشرے میں تقریباً اس وقت 30 فیصد ہوگی۔ مگر یہ لوگ اپنے مقصد یعنی نماز پڑھنے میں کامیاب نہیں ہو پاتے۔ جب کہ تبلیغ کرنے والی بہت سی جماعتیں بھی ہیں جو تبلیغ کرتی رہتی ہیں اور یہ لوگ خود بھی باقاعدگی سے جمعہ پڑھنے والے ہوتے ہیں، جہاں انھیں جمعہ پڑھانے والے علمائے کرام بھی تبلیغ کرتے رہتے ہیں۔ یعنی جیسے تبلیغ کی جا رہی ہو نیک کام کرنے کی وہ خود بھی نیک کام کرنا چاہتا ہے۔ مگر پھر بھی وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو پاتا۔ کیوں؟

اس کے علاوہ تقریباً دس فیصد لوگ ایسے بھی ہیں جو کہ نماز شروع کرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ اسے باقاعدگی سے پڑھیں، مگر اپنی کوشش کے باوجود وہ ایسا نہیں کر پاتے۔ اور کچھ دن نماز پڑھنے کے بعد پھر چھوڑ دیتے ہیں، یہ لوگ آپ کے اپنے ہی گلی محلے کے ہیں۔ اگر آپ غور کریں گے تو آپ خود ہی جان جائیں گے۔

ان باتوں پرغور کرنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ تبلیغ کے متعلق کچھ لکھا جائے، یعنی تبلیغ کو زیادہ موثر کرنے کے لیے کیا طریقہ کار ہونا چاہیے؟ کس وجہ سے لوگ نیک کاموں میں ہیشگی نہیں رکھ پاتے؟ کس کام کی ہمیں تبلیغ کرنی چاہیے؟ وغیرہ وغیرہ۔

ویسے تو تبلیغ کے متعلق ایک لائن ہی لکھ دیں تو کافی ہے اور وہ یہ کہ جو اوصاف نبی ﷺ میں موجود تھے وہ اپنے اندر پیدا کریں پھر جس طریقے سے آپ ﷺ نے تبلیغ کی اسی طریقے سے تبلیغ کریں۔ مگر اس ایک لائن کے پڑھنے سے ہر شخص بات کو نہیں سمجھ سکے گا۔ پھر نبی اکرم ﷺ کے دور اور آج کے دور میں بھی کچھ فرق واقع ہو چکا ہے اور میڈیا جیسی چیزیں بھی سامنے آ چکی ہیں۔ اس لیے بہتر ہے کہ اس فقرے کی کچھ تشریح کر دی جائے، تا کہ ایک عام آدمی بھی بات کو اچھی طرح سمجھ سکے۔

اس کے علاوہ تبلیغ کرنا تو ہر اس شخص کے ذمہ ہے جس نے بھی کلمہ پڑھ رکھا ہو، خواہ اس کے پاس قرآن کی ایک آیت کا ہی علم ہو اور ہر اس شخص کو تبلیغ کی جائے گی، جس میں کوئی ایک بھی کمی ہو۔ مگر تبلیغ کو زیادہ سے زیادہ بہتر طور پر کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اسی مقصد کے لیے میں یہ تحریر لکھ رہا ہوں۔ اس کے لیے میں نے اپنے موجودہ موضوع کو تین چھوٹے حصوں میں تقسیم کیا ہے:

① مبلغ کے اوصاف۔ ② تبلیغ کا طریقہ کار۔

③ دورِ حاضر میں تبلیغ اور تبلیغی جماعتوں کی ناکامی کی وجوہات۔

① مبلغ کے اوصاف:

میرے علم و عقل کے مطابق ایک اچھے مبلغ میں مندرجہ ذیل اوصاف کا ہونا ضروری ہے:

ا۔ **تبلیغ کا مقام:** سب سے پہلی اور ضروری چیز ایک مبلغ کے لیے یہی ہے کہ وہ

خود تبلیغ کے مقام و مرتبہ کو اچھی طرح سمجھتا ہو۔ اس کے پاس اس کام کے کرنے کے علمی اور عقلی دلائل موجود ہوں، وہ کوئی بھی کام کرنے سے پہلے یہی سوچتا ہو کہ اس سے دین کے غلبے میں کیا فائدہ ہوگا۔ یا اس سے دین کا کوئی نقصان تو نہیں ہوگا۔ اگر وہ چندہ دیتا ہے تو سب سے پہلے یہی سوچتا ہے کہ اس سے دین اسلام کے غلبے میں کیا فائدہ ہوگا، اس میں کوئی فرقہ پرستی نہیں ہوتی، وہ ہر وقت اسی سوچ بچار میں رہتا ہے کہ کس طرح دین کو غلبہ حاصل ہوگا، جب ایسی سوچ ہوگی تب ہی وہ ایک اچھا مبلغ بن سکے گا۔

۲۔ تقویٰ: ایک مبلغ میں جو سب سے ضروری چیز ہے وہ تقویٰ ہے، جس قدر مبلغ میں اللہ تعالیٰ کا خوف زیادہ ہوگا، اتنا ہی اس کا عمل زیادہ ہوگا اور بہتر طریقے سے ہوگا اور اتنا ہی اس کی تبلیغ میں اثر زیادہ ہوگا۔

۳۔ غور وفکر اور تدبر: ایک ڈاکٹر ڈاکٹر ہے اور غور وفکر اور تدبر کرنے والا ہوگا تو بہت اچھا ڈاکٹر ہوگا۔ ایک انجینئر انجینئر ہے اگر غور وفکر اور تدبر کرنے والا ہوگا تو بہت اچھا انجینئر ہوگا۔ اسی طرح ایک تبلیغ کرنے والا مبلغ ہے لیکن جتنا زیادہ قرآن و حدیث میں غور وفکر اور تدبر کرنے والا ہوگا اتنا ہی اچھا مبلغ ہوگا۔ غور و فکر اور تدبر و تحقیق تمام علوم کی جڑ بھی ہیں اور تمام علوم کی چوٹی بھی۔ ان کی وجہ سے دنیا میں نئے علوم دریافت ہوتے ہیں اور انہی کی وجہ سے وہ علوم ترقی بھی کرتے ہیں ان کے بغیر عالم کا علم ادھورا رہتا ہے اور انہی کے ساتھ ایک عام عالم بہت اچھا عالم بن جاتا ہے، یعنی کہ ایک اچھے مبلغ کے لیے غور وفکر اور تدبر و تحقیق اہم نہیں ہوتی، بلکہ بہت زیادہ اہم ہوتی ہے۔

۴۔ علم: عمل کرنے والے لیے تو اتنا ہی علم کافی ہے جتنا کہ وہ عمل کر رہا ہے، مگر ایک

مبلغ کے پاس جس قدر بھی زیادہ علم ہو سکتا ہے اتنا ہی بہتر ہے۔ ایک مبلغ کو زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنا چاہیے۔ قرآن و حدیث کے علاوہ دورِ حاضر کے علوم پر بھی گرفت رکھتا ہو۔ عمرانیات اور فلسفے جیسے علوم کو بھی جانتا ہو، ایک مبلغ کے پاس جتنا زیادہ علم ہوگا اتنی ہی بہتر تبلیغ کر سکے گا۔

۵۔ اندازِ بیاں: تبلیغ میں بات کو بیان کرنے کا بہت اہم کردار ہوتا ہے۔ یعنی بات کو بہت مختصر اور جامع انداز میں بیان کیا جائے، جس ذہنی سطح کے سامعین ہوں اسی سطح کا مبلغ علم استعمال کرے، الفاظ یا فقرات کو مصنوعی بناوٹ نہ دے اور نہ ہی دوران تبلیغ ہنسی مذاق والی بات کرے اور نہ سامعین پر تنقیدی انداز کا استعمال کرے اور نہ ہی ایک ہی بات کو بار بار بیان کیا جائے۔

۶۔ وقت کا انتخاب: وقت کے انتخاب میں بھی ایک مبلغ کو سمجھ دار ہونا چاہیے۔ یعنی جسے تبلیغ کی جا رہی ہو نہ تو وہ اس وقت کسی کام میں مصروف ہو اور نہ ہی اس وقت کسی پریشانی میں مبتلا ہو کیونکہ ایسی حالت میں وہ آپ کی بات توجہ سے سنے گا ہی نہیں اور نہ ہی اس شخص پر تبلیغ کا کچھ اثر ہوگا۔

۷۔ عمل: ویسے تو مبلغ عملی طور پر دین کی مکمل تصویر ہونا چاہیے، اگر ایسا نہ ہو سکے تو کم از کم کبیرہ گناہوں سے پرہیز، فرائض و واجبات پر عمل کے ساتھ ساتھ اخلاق و کردار میں تو ایک مثال ضرور ہو اور جس جس عمل کی تبلیغ کرتا ہو اس میں بھی ایک مثال ہو۔

۸۔ یقین والا ایمان: مبلغ میں یقین والا ایمان ہونا ضروری ہے اور یہ بھی کہ وہ جس شخص کو بھی تبلیغ کرے اس میں بھی سب سے پہلے اسی وصف کو پیدا کرنے کی کوشش کرے، کیونکہ اگر کسی شخص میں یقین والا ایمان پیدا ہو جائے تو وہ اللہ

تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ خود ہی پورے کے پورے دین پر عمل کرنے والا بن جاتا ہے۔

۹۔ **عقلی دلائل:** ایک اچھے مبلغ کے پاس قرآن و حدیث کے علاوہ عقلی دلائل بھی ہونے چاہئیں۔ جتنے زیادہ آپ اپنی بات کے حق میں عقلی دلائل دیں گے اتنی ہی زیادہ تبلیغ پر اثر ہو گی۔ میری یہ پوری کتاب تقریباً ان ہی دلائل پر لکھی گئی ہے۔

۱۰۔ **بنیادی علم:** ایک اچھے مبلغ کے پاس بنیادی باتوں کا علم ہونا انتہائی اہم ہے، ان باتوں کا علم جتنا زیادہ ہو گا اتنا ہی اس کا ایمان مضبوط ہو گا اور اتنی ہی بہتر اس کی تبلیغ ہو گی۔ ان میں سے پہلی بات کہ خدا موجود ہے اسے عقلی دلائل سے واضح کریں۔ اس کے بعد قیامت کا دن یعنی ایک دن ایسا ہے جس دن حساب کتاب ہو گا۔ اس دن نیک اور اچھے لوگ جنت میں جائیں گے اور بے ایمان اور برے لوگ جہنم میں جائیں گے۔ اس کے بعد دین کی معتبر کتاب یعنی قرآن مجید یہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور مکمل طور پر محفوظ ہے۔ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری اور سچے نبی ہیں اور ان کی تعلیمات محفوظ ہیں اور سب سے آخر میں یہ کہ میں جس کام کی تبلیغ کر رہا ہوں یا جس راستے کی طرف بلا رہا ہوں اس پر عمل کیے بغیر دنیا و آخرت میں کامیابی نہیں مل سکتی۔ یہ سب سے اہم اور ضروری کام ہے، اسے ہر حال میں کرنا ہو گا، ان سب باتوں کو عقلی دلائل سے ثابت کریں۔ یہ بنیادی علم ہر مبلغ کے پاس ہونا چاہیے۔

۱۱۔ **صبر و استقامت:** ایک اچھے مبلغ کو جب بھی کوئی تکلیف پہنچے تو اس پر صبر کرے اور اپنی تبلیغ کو استقامت کے ساتھ کرتا رہے، بے دل ہرگز نہ ہو، اگرچہ کوئی خاص کامیابی بھی نہ مل رہی ہو۔

۱۲۔ **بحث و مباحثہ:** ایک مبلغ کو بحث مباحثہ کی ضرورت کم پڑتی ہے، مگر ضرور پڑتی ہے۔ جس طرح کہ سورۃ النحل کی آیت نمبر 125 میں بھی اس کا ذکر کیا گیا ہے:

❁ ''(اے نبی!) اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو، ایسے طریقے پر جو بہترین ہو۔ تمھارا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہِ راست پر ہے۔''

اس لیے ایک اچھے مبلغ کے پاس بحث و مباحثہ کا علم وفن بھی ہونا چاہیے۔

۱۳۔ **چہرہ شناسی:** ایک مبلغ کو چہرہ شناس بھی ہونا چاہیے۔ یعنی جب وہ تبلیغ کر رہا ہو تو وہ لوگوں کے چہرے سے اندازہ کر لے کہ وہ میری بات کو دلچسپی سے سن رہے ہیں یا نہیں۔ لوگ میری باتوں سے اکتا تو نہیں رہے۔ نیز اسے یہ بھی علم ہونا چاہیے کہ کس شکل وصورت کے لوگ زیادہ ترعقل مند ہوتے ہیں اور کس شکل و صورت کے لوگ عقل میں سادہ ہوتے ہیں۔

۱۴۔ **توکل:** ایک اچھے مبلغ کا اللہ تعالیٰ پر توکل بہت زیادہ ہونا چاہیے۔ جب بھی وہ کسی کام کو کرنے لگے تو پہلے اس کے لیے دعا کرے اس کے بعد اس پر غور وفکر کرے، مشورہ کرے۔ پھر جب اس کام کا ارادہ کر لے تو اللہ تعالیٰ پر توکل کرے۔

۱۵۔ **ایک قدم آگے:** بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو دین دار بالکل نہیں ہوتے۔ مگر انھوں نے کسی لالچ یا مجبوری کی وجہ سے دین کا لبادہ اوڑھ رکھا ہوتا ہے۔ ایسے دین دار لوگوں کی اکثر کوئی نہ کوئی برائی لوگوں کے سامنے آتی رہتی ہے۔ ان جیسے لوگوں کی وجہ سے دین، دینی جماعتیں اور دین دار لوگ بدنام ہوتے رہتے ہیں اور عام لوگ دین اور دین دار لوگوں سے نفرت کرنے لگتے ہیں اور دین سے دور ہو جاتے ہیں۔ ایسے حالات میں مبلغین یا تبلیغی جماعتوں کو

چاہیے کہ وہ ایک قدم آگے ہوں۔ یعنی جب بھی ان سے کوئی چھوٹی یا بڑی غلطی سرزد ہو خواہ اخلاقی ہو یا قانونی تو وہ اپنے آپ کو خود سزا کے لیے پیش کریں۔ سزا جرمانے کی شکل میں ہو یا جیل جانے کی شکل میں، سزا کو خوشی سے قبول کریں۔ ایسے اعمال سے دینی جماعتوں اور دین دار لوگوں کو بھی فائدہ ہوگا اور تبلیغ کو بھی۔

۲ تبلیغ کا طریقہ کار:

تبلیغ کے طریقہ کار مختلف جگہوں پر مختلف ہوتے ہیں، مثلاً: اگر آپ دورانِ خطبہ جمعہ تبلیغ کریں گے تو اس کا طریقہ کار اور ہوگا اور اگر آپ اپنے کسی دوست کو تبلیغ کریں گے تو اس کا طریقہ کار مختلف ہوگا۔ تبلیغ کے عمل میں کس طرح بہتری لائی جا سکتی ہے، اس کے لیے چند تجاویز پیش کر رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ ان تجاویز سے تبلیغی عمل میں کچھ نہ کچھ بہتری ضرور آئے گی۔ بشرطیکہ مبلغ میں بھی کچھ اوصاف موجود ہوں۔

۱ جماعتی انداز اور مشاورت: سب سے پہلے تبلیغ کے لیے اپنے محلے میں ایک چھوٹی سی جماعت بنائیں جو کم از کم چار افراد پر مشتمل ہو۔ علم و عقل والے ہوں۔ جو تبلیغی امور میں مشاورت کریں، تاکہ مشاورت کے ذریعے تبلیغ میں بہتری لائی جا سکے۔ نیز ایک فرد کی نسبت چار افراد زیادہ لوگوں کو بآسانی تبلیغی پروگرام میں شرکت کے لیے بلا سکیں گے۔

۲ روپے کا استعمال: روپے پیسے کا ہر معاملے میں ایک اہم کردار ہوتا ہے۔ تبلیغی پروگرام میں کھانے کا انتظام کریں۔ پروگرام کم کر لیں مگر اچھے طریقے سے کریں۔ لوگوں کی تعداد بیس تک رکھیں، تاکہ تمام انتظامات بہتر طور پر ہو سکیں۔

۳ پروگراموں کی تعداد: تبلیغی پروگراموں کی پہلے تعداد مقرر کریں، مثلاً: دو، چار،

پانچ، سات وغیرہ اس کے بعد تبلیغ کریں اور تبلیغ میں شرکت کرنے والے تمام لوگوں کو تمام پروگراموں میں شرکت کا پابند کریں۔ انھیں بتائیں کہ اگر ان پروگراموں میں سے ایک بھی چھوڑا تو جن پروگراموں میں شرکت کی تھی ان کا بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ ان تمام پروگراموں میں ایک ہی بات کو مکمل کرنا ہوتا ہے۔

④ **وقت کا انتخاب:** جن لوگوں کو بھی تبلیغ کی دعوت دیں، ان لوگوں کے وقت کی بھی بچت کریں اور وقت کا ایسا انتخاب کریں کہ ان کے کوئی بھی معاملات خراب نہ ہوں۔ عام طور پر مغرب کی نماز سے لے کر عشاء کی نماز تک کا وقت بہتر ہوتا ہے۔ کیونکہ اس دوران زیادہ تر لوگوں نے کھانا کھانا ہوتا ہے اور اگر لوگوں کو کھانا مہیا کر دیں تو لوگوں کا بالکل بھی وقت ضائع نہ ہوگا اور اگر وقت کی کمی محسوس ہو تو عشاء کی نماز کو تھوڑا آگے بھی کیا جا سکتا ہے۔

⑤ **بہتر ماحول:** لوگوں کو تبلیغ کے لیے اچھا اور دوستانہ ماحول مہیا کریں، تاکہ وہ خود ہی شوق کے ساتھ پروگراموں میں شرکت کریں۔ جیسے کہ وہ ایک پارٹی میں شرکت کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ ایک وقت میں جن دس پندرہ افراد کو تبلیغ کریں وہ سب کے سب آپس میں دوست ہوں۔ ان میں کوئی بھی اجنبی شخص نہ ہو۔ اس طرح کی تبلیغ کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ ان کے اثرات زیادہ دیر تک رہیں گے۔ کیونکہ ایک ساتھ رہنے والے تمام دوستوں میں ہی تبدیلی آ چکی ہوگی۔

⑥ **درست تشخیص:** اگر تبلیغ کو آپ اپنی مرضی سے کریں گے تو اس سے آپ کو ثواب تو مل سکتا ہے مگر کسی کی سوچ میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ اس لیے تبلیغ کرنے سے پہلے آپ اس شخص کو جسے آپ تبلیغ کرنے والے ہیں اس سے پوچھیں کہ وہ دین سے یا دین کے کسی عمل سے کس وجہ سے دور ہے۔ جب تک

آپ کو یہ پتا نہیں چلے گا کہ وہ دین سے کس وجہ سے دور ہے، اس وقت تک آپ اسے بہتر طور پر تبلیغ نہیں کر سکتے، جس طرح کے ڈاکٹری زبان کی ایک کہاوت ہے: ''درست تشخیص درست علاج''، یعنی اگر کسی بیماری کی تشخیص درست نہ ہوتو علاج درست نہیں ہوسکتا۔

⑦ **واقعات و امثلہ:** لوگوں کی عقلی لحاظ سے دو بڑی اقسام ہیں ایک سادہ عقل والے لوگ اور دوسرے عقل مند لوگ۔ اگر دورانِ تبلیغ ایسے واقعات کا استعمال کرلیا جائے جو کہ لوگوں نے کم ہی سن رکھے ہوں تو سادہ عقل والے لوگ ایسی تبلیغ میں دلچسپی رکھنے لگتے ہیں۔ بات کوغور سے سنتے ہیں اور دوسری قسم یعنی عقل مند لوگ ایسے لوگوں کو اگر دوران تبلیغ مثالیں وغیرہ دی جائیں تو وہ بھی تبلیغ میں دلچسپی لینے لگتے ہیں۔ واقعات کے لیے تاریخ کی کتابوں کا مطالعہ زیادہ کریں اور امثلہ وغیرہ کے لیے حدیث کی کتابوں کا مطالعہ زیادہ کرنا ہوگا۔

⑧ **سادگی کی طرف راہنمائی اور لالچ میں کمی:** جب تک امیر لوگوں کے لالچ میں کمی نہ ہوگی اس وقت تک ان لوگوں کے پاس دین پر صحیح طور پر عمل کرنے کے لیے نہ تو وقت ہوگا اور نہ ہی عمل کرسکیں گے اور اسی طرح جب تک غریب لوگ سادگی کونہیں اپنائیں گے اس وقت تک ان کے پاس نہ تو دین پر عمل کرنے کے لیے وقت ہوگا اور نہ ہی ان کے دنیاوی معاملات درست ہوسکیں گے۔ لہٰذا جب تک لالچ میں کمی نہ آئے گی اور سادگی کونہیں اپنایا جائے گا اس وقت تک تبلیغ بے اثر رہے گی، خواہ کوئی امیر ہو یا غریب۔

⑨ **درجہ بندی:** تبلیغ کو ایک درجہ بندی سے کرنا چاہیے یعنی اگر آپ کسی ایک شخص کو تبلیغ کر رہے ہیں تو درجہ بندی یہ ہوگی کہ ایک غیر مسلم کو کلمے کی تبلیغ کی جائے

گی، جس نے کلمہ پڑھ رکھا ہے اسے شرک سے بچنے اور عقائد کی درستگی کی تبلیغ کی جائے گی۔ جس کے عقائد درست ہوں گے اسے فرائض و واجبات پر عمل کرنے اور گناہ کبیرہ سے بچنے کی تبلیغ کی جائے گی، پھر اس کے بعد جھوٹ سے اور برے اخلاق سے بچنے کی تبلیغ۔ اس کے بعد تبلیغ کی تبلیغ اور سب سے آخر میں جو سب سے افضل تبلیغ ہے وہ دین اسلام کے نظام یعنی دینی حکومت کی تبلیغ کی جائے گی، لیکن اگر آپ اجتماعی تبلیغ کر رہے ہیں تو ماحول اور اجتماع کے مطابق کسی ایک ہی چیز کی تبلیغ کریں، مگر سب سے افضل تبلیغ یعنی دینی حکومت اور اس کے نظام کی تبلیغ ہر اجتماعی تبلیغ میں ہونی چاہیے۔

⑩ **دنیاوی مشکلات کا حل:** دنیا میں ہمیں بہت ساری مشکلات پیش آتی ہیں، اگر کوئی مبلغ ان مشکلات کا حل دینی تعلیمات سے نکال دے جو کہ غور وفکر اور تدبر و تحقیق کرنے والے عالم کے لیے بہت ہی آسان ہے۔ تو اس سے لوگ خود ہی دین کی طرف رغبت اختیار کریں گے، کیونکہ لوگوں کو دین پر عمل کرنے سے اپنا دنیاوی فائدہ نظر آ رہا ہوتا ہے۔

⑪ **اثر رکھنے والے اداروں کو تبلیغ:** تبلیغ کو زیادہ موثر کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ایسے اداروں کو تبلیغ کی جائے جو معاشرے پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں، مثلاً عدلیہ، فوج، سیاست دان اور میڈیا وغیرہ ان اداروں کے لوگوں پر تبلیغ اثر انداز ہو گئی تو اس کا اثر عام آدمی پر خود بخود ہو جائے گا۔

⑫ **مبلغین کی تبلیغ:** فرقہ پرستی سے بچتے ہوئے دو، چار انٹرنیشنل لیول کے علمائے کرام کے بیانات لوگوں کو ان کی ذہنی سطح کے مطابق ریکارڈ کروا کر دیں اور جس وقت کوئی شخص اسے سن سکتا ہے اس وقت غور سے سنے۔ اس طرح اچھے مبلغین

کی تبلیغ کے ذریعے سے بھی اچھی تبلیغ کی جا سکتی ہے، جو کہ آسان بھی ہے۔

⑭ دین کا حصہ ہر چیز میں: لوگوں کو تبلیغ کریں کہ ہر چیز میں سے دین کا حصہ ادا کریں، مثلاً: اولاد، وقت اور مال وغیرہ سے۔ یعنی اولاد سے دین کا حصہ اس طرح نکالیں کہ بڑا بیٹا اور بیٹی یا زیادہ ذہین ایک بیٹی اور ایک بیٹے کو صرف اور صرف دینی تعلیم ہی دلوائیں کسی اچھے ادارے سے دلوائیں اور وقت سے اس طرح حصہ نکالیں کہ جس طرح روزانہ اپنے آرام اور روزگار کو وقت دیا جاتا ہے اسی طرح دین کو بھی روزانہ کی بنیاد پر وقت دیں اور مال سے حصہ بھی اسی طرح مقرر کر کے روزانہ کی بنیاد پر دین کے لیے وقف کریں اور ایسی جگہ دیں جہاں دین کا سب سے زیادہ فائدہ ہوتا ہو۔ میرے خیال میں اس کی صحیح حق دار ایسی دینی جماعت ہے جو دینی قوانین لاگو کروانے کے لیے کام کر رہی ہو، جس میں نہ تو فرقہ واریت ہو اور نہ ہی کسی ایک شخص کی اجارہ داری قائم ہو، ایسی جماعت جس کی قربانیوں سے آپ واقف ہوں اور اس جماعت میں کرپشن بھی نہ ہو۔ ان چیزوں کا استعمال اگر صحیح جگہ اور صحیح طریقے سے ہو جائے تو امید ہے کہ دین اور اس کے نظام کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے جلد ہی غلبہ عطا ہو جائے گا۔

③ دورِ حاضر میں تبلیغ اور تبلیغی جماعتوں کی ناکامی کی وجوہات:

موجودہ دور میں بہت سی جماعتیں اور بہت سے لوگ تبلیغ کا کام کر رہے ہیں، مگر ان کو خاطر خواہ کامیابی نہیں مل رہی اور تبلیغ اور تبلیغی جماعتیں ناکام ہو رہی ہیں۔ ان کی ناکامی کی وجوہات میں سے ایک تو وجہ یہی ہے کہ نہ صرف مبلغ میں اوصاف کی کمی ہوتی ہے، بلکہ تبلیغی جماعتیں بھی غور وفکر اور تدبر سے تبلیغ کے لیے نئے اور بہتر طریقے اختیار نہیں کرتیں۔ مگر اس کے علاوہ بھی تبلیغ کی ناکامی کی بے شمار وجوہات

ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

① اس وقت دین اسلام کے مخالف جتنی بھی چیزیں ہیں، مثلاً: مختلف نظام وقوانین، مختلف تہذیبیں اور کلچر وغیرہ خاص طور پر مغربی تہذیب ان سب سے آج کا مسلمان خود بخود مغلوب ہو چکا ہے۔ جس کی وجہ سے آج کا نام نہاد مسلمان مغربی تہذیب و کلچر کو دین اسلام پر ترجیح دیتا ہے اگر وہ مثال دیتا ہے تو مغربی قوانین کی، تعریف کرتا ہے تو مغرب کی سیاست کی اور اگر عزت کرتا ہے تو مغرب کے فنکاروں کی۔ ان سب باتوں کے علاوہ مغرب کا غلبہ ہے سائنس اور ٹیکنالوجی پر، دنیا کے مال و اسباب پر، دنیا کے میڈیا اور قوانین پر، یہاں تک کہ مسلم ممالک کی حکومتوں پر بھی انہی کا راج ہے۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کو مغرب کے علاوہ کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا اور اپنے دین کو وہ ہر معاملے میں پیچھے سمجھتے ہیں، جب کہ زیادہ تر مبلغین عقلی دلائل سے دین اسلام کو برتری نہیں دلا سکتے۔ جس کی وجہ سے ان کی تبلیغ ناکام ہو جاتی ہے۔

② بعض جمعہ پڑھانے والے امام و عالم تبلیغ کی نیت سے جمعہ نہیں پڑھاتے بلکہ وہ اس لیے جمعہ پڑھاتے ہیں کہ لوگ ہم کو اچھا مقرر سمجھیں، جمعہ پڑھانے کو وہ ایک ایسی ڈیوٹی سمجھتے ہیں جس سے وہ لوگوں سے مختلف فوائد حاصل کرتے ہیں، اس وجہ سے ان کی وہ نام نہاد تبلیغ ناکام رہتی ہے۔

③ بعض خطیب بہت زیادہ دکھاوا کرتے ہیں، دوران تبلیغ اپنے چہرے اور ہاتھوں سے جعلی انداز بناتے رہتے ہیں۔ الفاظ کو مصنوعی بناوٹ دیتے ہیں، ان باتوں کی وجہ سے لوگ انھیں دورانِ تقریر حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ظاہر ہے ایسے لوگوں کی تقریر میں کچھ اثر نہ ہوگا۔

④ بعض امام مسجد اور خطیب لالچی ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ اکثر چندہ کا اعلان کرتے رہتے ہیں۔ بچوں کو تو مفت پڑھانے کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر مسجد کا سارا چندہ خود ہی کھا جاتے ہیں۔ جھوٹ بہت بولتے ہیں، ان حرکات کی وجہ سے اکثر لوگ انھیں پسند نہیں کرتے۔ لوگ اس وجہ سے بھی دین سے دور ہی رہتے ہیں۔

⑤ بعض مبلغ اور خطیب چند مخصوص قسم کی باتیں ہی بیان کرتے رہتے ہیں۔ وہ باتیں لوگ سن کر اکتا چکے ہوتے ہیں۔ ایسی تبلیغ کی وجہ سے بھی لوگ دین سے مزید دور ہو جاتے ہیں۔

⑥ بعض خطیب چھوٹی سی بات کو بھی بہت لمبا کر کے بیان کرتے ہیں۔ ایک ہی بات کو مختلف طریقوں سے دو تین بار دہرا دہرا کر کرتے ہیں۔ اس کی وجہ جمعے کا وقت پورا کرنا ہوتا ہے۔ ان کی اس حرکت کی وجہ سے لوگ اکتا جاتے ہیں اور دینی پروگراموں میں شرکت نہیں کرتے اور دین سے دور ہو جاتے ہیں۔

⑦ بعض مبلغین میں عقل کی کمی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے زبانی کلامی اور معاشرتی غلطیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اس وجہ سے عام لوگ ان کو سمجھ دار نہ جانتے ہوئے ان کی بات کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے۔ اس وجہ سے بھی تبلیغ میں ناکامی ہوتی ہے۔

⑧ بعض دین دار لوگ یا تو تبلیغ کرتے ہی نہیں یا پھر تبلیغ ہی کرتے ہیں اور کچھ نہیں کرتے۔ یعنی وہ کوئی موقع محل نہیں دیکھتے بلکہ ہر جگہ جلد بازی سے تبلیغ ہی شروع کر دیتے ہیں، جو کہ بے فائدہ ثابت ہوتی ہے۔

⑨ بعض مبلغین کا تعلق غریب گھرانوں سے ہوتا ہے۔ اگر امیر لوگوں کو تبلیغ کریں تو امیر لوگ ان کی بات کو غور سے نہیں سنتے اس وجہ سے تبلیغ بے اثر رہتی ہے، جب کہ امیر لوگ تبلیغی میدان میں کم ہیں۔

⑩ تبلیغ کی ناکامی کی ایک وجہ یہ ہے کہ اکثر مبلغین اپنے فرقے کی تبلیغ کرتے ہیں جسے عام لوگ اچھا نہیں سمجھتے اور اس طرح تبلیغ ناکام ہو جاتی ہے۔

⑪ تبلیغ اور تبلیغی جماعتوں کی ناکامی کی سب سے بڑی اور اہم وجہ یہ ہے کہ دین اسلام کی مخالفت کرنے والے لوگ ہر معاملے میں بہت مضبوط ہیں اور تمام مضبوط اداروں پر ان کا کنٹرول ہوتا ہے۔ وہ ایسے قوانین مرتب کرواتے ہیں کہ جو دیکھنے میں تو ایک چھوٹا سا قانون ہوتا ہے، مگر جب دس سال بعد اس کے اثرات سامنے آتے ہیں تو اس وقت تک وہ قانون دین اسلام کا بہت نقصان کر چکا ہوتا ہے۔ ان جیسی وجوہات کی بنا پر تبلیغی جماعتیں ناکام ہو رہی ہیں، اس لیے مبلغین اور تبلیغی جماعتوں کو چاہیے کہ غور و تدبر سے تبلیغ کے لیے نئے اور بہتر طریقوں کا استعمال کریں۔

اک آخری نظر

اگر کسی کتاب کو ایک یا دو بار کی نشست میں غور و تدبر سے پڑھا جائے تو اس کتاب کے ختم ہونے پر کتاب میں بیان ہونے والی تمام باتیں ذہن میں قدرے بہتر طور پر محفوظ رہتی ہیں اور اس وجہ سے اس کتاب سے علمی یا عملی فائدہ اٹھانے میں آسانی رہتی ہے لیکن اگر کسی کتاب کو زیادہ نشستوں کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کتاب سے حاصل ہونے والا علم اچھی طرح ذہن میں محفوظ نہیں رہتا اور اس طرح اس کتاب کے پڑھنے کا کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوتا۔

اس لیے میں یہاں چند سطور میں پوری کتاب کو ذہن نشین کروانے کی کوشش کروں گا۔ یہ کتاب ''مقدمہ'' کے بعد میری 'ہدایت کی آپ بیتی'' سے شروع ہوئی۔

جسے پڑھنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے میں ایک عام شخص تھا، پھر بعض باتوں اور اپنی کم علمی کی وجہ سے تمام ادیان کا مخالف ہو گیا اور دین اسلام پر بھی بے شمار اعتراضات کرنے لگا۔ ان اعتراضات میں سے چند یہ ہیں: مسئلہ تقدیر، جہاد و جزیہ، واقعہ کربلا، غلام اور لونڈی وغیرہ۔

اس کے بعد میں نے ان اعتراضات کے متعلق علم حاصل کیا اور میرے یہ تمام اعتراضات دور ہو گئے لیکن پھر میں اپنی سستی کی وجہ سے دین اسلام پر عمل نہ کر سکا۔ میرے اندر سستی کی بڑی وجہ شفاعت وغیرہ کے عقیدے تھے یعنی جس نے بھی کلمہ پڑھ لیا اسے اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا یا نبی اکرم ﷺ اس شخص کی شفاعت کر کے اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی دلوا دیں گے اگرچہ وہ کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو۔

پھر جب میں نے ان کے متعلق کچھ علم حاصل کیا تو میں نے اپنے ان تصورات کو غلط پایا۔ اس کے بعد میں نے دین اسلام پر عمل شروع کر دیا اور دین نے میرے اندر بے شمار تبدیلیاں پیدا کیں۔ ان باتوں پر پہنچ کے کتاب کا حصہ اول ختم ہو جاتا ہے اور حصہ دوم کا مقدمہ نمبر ② آ جاتا ہے۔ کتاب کے اس حصے میں مَیں نے دین اسلام کے صحیح ہونے کے عقلی دلائل دیئے ہیں، اس معاملے میں تین عنوان بہت اہم ہیں:

① قرآن کے کلام اللہ ہونے کے عقلی دلائل۔

② نبی اکرم ﷺ کے پیغمبر ہونے کے عقلی دلائل۔

③ دین اسلام کی خصوصیات۔

اس کے بعد میں نے شرک، جنت اور جہنم کے متعلق کچھ ضروری معلومات فراہم کی ہیں۔ اس کے بعد میں نے مبلغین کے لیے تبلیغ کے چند نئے طریقوں کا ذکر کیا ہے، اس طرح اس کتاب کا اختتام ہوتا ہے کتاب میں دورِ حاضر کے مبلغین کے

لیے بنیادی اور ضروری علم کو اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ اس کتاب سے بہتر نتائج اخذ کرنے کے لیے کم از کم دو بار پڑھیں۔ اپنے اندر سے فرقہ واریت کو ختم کر کے دین کے علم کو حاصل کرنے اور اس کی تبلیغ کے لیے روزانہ کی بنیاد پر کچھ نہ کچھ وقت نکالیں اور اگر اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت عطا فرما دے تو تحقیق کر کے کسی اچھی مذہبی جماعت کے ساتھ مل جائیں، کسی ایسی جماعت کے ساتھ جس نے دین کے لیے سب سے زیادہ مالی و جانی قربانیاں دے رکھی ہوں، جس میں کسی ایک شخص کی اجارہ داری نہ ہو، ایسی جماعت جو ایک اچھا آئین رکھتی ہو وغیرہ۔ ایسی خوبیوں والی جماعت کے ساتھ مل کر کام کریں، اگرچہ وہ جماعت تعداد کے لحاظ سے کم ہو۔ مجھے امید ہے کہ اس عمل سے ایک اچھی دینی حکومت کی راہ ہموار ہو گی اور آخر میں چند ضروری باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں:

① بعض لوگ اس کتاب کے مطالعے کے بعد دین پر عمل کا ارادہ کریں گے مگر فوری طور پر عمل نہ کریں گے۔ پس جس شخص نے تو فوری عمل شروع کر لیا وہ شیطان کے ایک بڑے دھوکے سے بچ گیا اور جس شخص نے اپنے اس ارادے میں کچھ دن کا وقفہ ڈال دیا تو وہ شیطان کے اس جھانسے سے نہ نکل سکے گا۔

② دین اسلام میں بے شمار عقائد و اعمال ایسے ہیں کہ جنھیں سمجھے بغیر کامیابی نہیں مل سکتی اور انھیں سمجھنے کے لیے عام آدمی کو کافی وقت چاہیے۔ اور وہ وقت تبھی مل سکتا ہے کہ اگر آپ جلد از جلد دین پر عمل شروع کر دیں۔ ان مشکل عقائد و اعمال کی چند مثالیں یہ ہیں، جیسے: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں کوئی کمی کرے تو بھی نا قابل معافی جرم اور اگر کوئی شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں غلو کر دے تو بھی مجرم اسی طرح نماز کے بعض ضروری مسائل ہیں، تقدیر کا مسئلہ ہے، فرقوں کا مسئلہ ہے کہ کون سا فرقہ صحیح ہے وغیرہ وغیرہ۔

③ ہوسکتا ہے کہ کسی شخص کو اس کے کسی ضروری اعتراض کا جواب اس کتاب میں نہ ملا ہو اس لیے وہ دین پر ابھی عمل نہیں کرنا چاہتا تو ایسے شخص سے میں یہی کہوں گا کہ میں نے اپنے بعض اعتراضات کے جوابات حاصل کیے بغیر دین اسلام پر عمل شروع کیا تھا، تاکہ میرے ایمان میں ایمان بالغیب ضرور ہو جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک لازمی شرط ہے، اس لیے آپ بھی اپنے اس اعتراض کو ایمان بالغیب کے لیے چھوڑ دیں۔

④ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ صرف کلمہ پڑھ لینے یا کوئی خاص عقیدہ یا فرقہ رکھنے کی وجہ ہی سے جہنم سے بچ جائیں گے اور اس کے لیے نہ تو کبیرہ گناہوں سے بچنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی فرائض و واجبات کو ادا کرنے کی کوئی ضرورت ہے تو میرا ان لوگوں سے یہ سوال ہے کہ کیا پھر ہمیں یہ چاہیے کہ ہمارے وہ دوست اور رشتے دار جو دین پر عمل کرتے ہیں، انھیں یہ تبلیغ کریں کہ تم لوگ دین پر عمل کر کے اپنا وقت اور اپنے پیسے کیوں ضائع کر رہے ہو، اس نماز، روزے اور آخرت کی فکر کو چھوڑ دو اور اپنی دنیاوی زندگی کو بہتر کرو۔ کیونکہ ہمارا پیغمبر ہماری شفاعت کر کے ہمیں بخشوا دے گا اور پھر اللہ تعالیٰ بھی غفور و رحیم ہے وہ بھی ہمیں کوئی سزا نہ دے گا نیز ہمارا مسلمان ہو جانا ہی ہماری بخشش کے لیے کافی ہے؟

اب اگر تو آپ کا یہ جواب ہے کہ ہاں یہ تبلیغ ہونی چاہیے تو پھر میرا یہ سوال ہے کہ آج تک دنیا میں یہ تبلیغ کیوں نہ کی گئی؟ اور اگر آپ کا یہ جواب ہے کہ یہ تبلیغ غلط ہے یہ نہیں ہونی چاہیے تو پھر میرا سوال یہ ہے کہ آپ خود دین پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ خود غور کریں اور سوچیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو ہدایت کامل عطا فرمائے، ہمیں عذابِ قبر

اور جہنم کی آگ سے بچائے اور ہمیں صحیح طور پر آخرت کی فکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

نوٹ: دین اسلام کی تبلیغ کی خاطر اس کتاب کی چھپوائی کوئی بھی شخص کروا سکتا ہے مگر اس کی تحریر میں کسی بھی قسم کی رد و بدل نہیں کر سکتا۔

حصہ سوم

سوال و جواب

کتاب میں اس موضوع یعنی سوال و جواب کو شامل کرنے کا میرا مقصد یہ ہے کہ اگر مجھے دورانِ تبلیغ کوئی ایسا اہم سوال کیا جائے یا میرے اپنے ذہن میں آجائے کہ جس کے متعلق میں نے کتاب میں پہلے کچھ نہ لکھا ہو اور اس سوال کا جواب درج کرنے میں اسی کتاب یا مبلغین کا کچھ مزید فائدہ ہو تو اسے یہاں درج کر دیا جائے، تاکہ دین اسلام کی تبلیغ کے لیے ایک بہتر کتاب تصنیف ہو سکے۔ یہاں کسی بھی سوال کا جواب تحریر کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ ہر جواب مختصر ہو اور اگر کسی سوال کا جواب آپ کو اس پوری کتاب میں نہ ملے تو اس کے لیے آپ کسی بڑے عالم سے رابطہ کریں اور اس معاملے میں اپنے فرقے کو دیوار نہ بننے دیں، ورنہ آپ پوری زندگی میں کبھی بھی اپنے سوالات کے تسلی بخش جوابات نہ پا سکیں گے۔ میں نے یہاں صرف اور صرف تبلیغ میں فائدہ مند ہونے والے سوالات کو شامل کیا ہے، کیونکہ میرا بڑا مقصد دین اسلام کی تبلیغ ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مسلمان کی مدد و راہنمائی فرمائے۔ آمین

والسلام

① **سوال** نماز دین اسلام کی سب سے اہم عبادت ہے جس کی پابندی نہ کرنے والا

حقیقی مسلمان نہیں ہوسکتا۔ آپ نے جس طرح شرک پر اس کا علیحدہ عنوان دے کر ایک جامع تحریر لکھی ہے اس طرح ایک علیحدہ عنوان کے ساتھ آپ نے نماز پر کوئی تحریر نہ لکھی اگر چہ کتاب کا کافی مواد نماز کی طرف رغبت دلاتا ہے، البتہ مین اس کی کمی محسوس کرتا ہوں۔ مہربانی فرما کر اس سوال کے جواب میں اس کمی کو پورا کریں۔

والسلام

جواب آپ نے میری بہت ہی اہم اور ضروری بات کی طرف راہنمائی فرمائی ہے، اس کے لیے میں آپ کا شکر گزار رہوں گا۔ کتاب میں مختلف جگہون پر نماز کے متعلق میں نے کافی آیات درج کر رکھی ہیں، یہاں چند اہم اور ضروری احادیث درج کر دیتا ہوں جس سے یہ ایک علیحدہ عنوان کی کمی کو پورا کر دے:

- سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''کیا میں تجھے اسلام کا سر، اس کا ستون اور اس کی چوٹی نہ بتلاؤں؟'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''دین اسلام کا سر خود کو اللہ اور اس کے رسول کے سپرد کرنا ہے اور اس کا ستون نماز اور اس کی چوٹی جہاد ہے۔'' (جامع ترمذی: 2616)
- حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہین کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھا جو بغیر اعتدال اور خشوع کے نماز ادا کر رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ آدمی اگر اپنی اسی حالت میں مرا تو اس کی موت مجھ محمد ﷺ کی ملت پر نہ ہوگی۔'' (طبرانی کبیر: 3840)
- سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کفر و شرک اور (مسلمان) بندے کے درمیان فرق نماز کا چھوڑنا ہے۔'' (صحیح مسلم، ابو داود)

❀ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
''جس شخص نے نماز کی حفاظت کی (یعنی پانچوں نمازیں پابندی سے پڑھیں) تو نماز اس کے لیے روشنی، دلیل اور قیامت کے دن نجات کا باعث ہو گی اور جس شخص نے نماز کی حفاظت نہ کی تو نماز اس کے لیے نہ تو روشنی ہو گی، نہ دلیل اور نہ نجات کا باعث۔ بلکہ وہ شخص قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہو گا۔'' (مسند احمد: 129/2)

ان احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے نماز کو دین کا ستون قرار دیا ہے، تیزی سے نماز پڑھنے والے کو اپنی ملت سے خارج قرار دیا ہے، نماز چھوڑنے والے شخص کو کافر ومشرک قرار دیا ہے اور جو شخص نماز تو پڑھتا ہے، مگر پابندی سے نہیں پڑھتا ایسے شخص کے لیے بھی کافر سرداروں کے ساتھ انجام ہونے کی خبر دی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس طرح ان بڑے بڑے کافروں کی شفاعت نہیں ہوسکتی، اسی طرح بے نماز کی بھی شفاعت نہ ہو گی یا جس طرح اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے مگر ان کافروں کے لیے نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ بے نماز کے لیے بھی غفور و رحیم نہ ہو گا اور اس بات میں جو شخص شک کرے تو وہ شک کرنے والا ہے محمد ﷺ کی ذات پر، ان کے قول پر، اللہ کے قرآن پر اور اس حدیث پر۔ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے۔ واللہ أعلم

انسان دنیا میں سب سے زیادہ موت سے خوف زدہ ہوتا ہے، مگر جہنم اتنی بری جگہ ہے کہ وہاں جہنمی کی سب سے اول اور بڑی خواہش یہی ہو گی کہ اسے موت آ جائے لیکن یہ آرزو کبھی پوری نہ ہو گی۔ لہٰذا جو شخص نماز نہیں پڑھتا وہ آج ہی سے اس کی پابندی کرے اور جو شخص پڑھتا ہے وہ اپنے قریبی رشتہ داروں، دوستوں اور اپنی اولاد کی فکر کرے۔ اس دنیاوی زندگی کو ہی سب کچھ نہ سمجھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں

خشوع وخضوع اور پابندی سے نماز ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

۲ **سوال** آپ نے اس کتاب میں بعض باتیں اس طرز سے تحریر فرمائیں ہیں، جس سے بعض مسلمانوں کو اعتراض ہوسکتا ہے جیسے کہ آپ نے قرآن کو گانے کے مقابلے میں پیش کیا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب اس کتاب میں جہاں میری تحریر دین اسلام کے مخالف لوگوں کو تبلیغ کرنے کے لیے ہوتی ہے، وہاں آپ کو یہ چیز نظر آسکتی ہے اور اس کی وجہ ان لوگوں کو بات بہتر طور پر سمجھانا ہوتی ہے۔ اس جگہ پر میں نے قرآن کو موسیقی کے مقابلے میں اس لیے پیش کیا ہے کہ آج بہت سے لوگ موسیقی کو روح کی غذا کہتے ہیں، جب کہ دین دار لوگوں کے نزدیک قرآن روح کی غذا ہے، اسی لیے میں نے ان دونوں چیزوں کا مقابلہ کروایا ہے، تاکہ بات کو بہتر طور پر سمجھایا جا سکے۔

۳ **سوال** اس وقت لوگوں پر سب سے زیادہ اثر انداز ہونے والی چیز میڈیا ہے دین دار لوگ میڈیا میں کیوں نہیں آتے؟

جواب یہ بات تو میں بھی کرتا ہوں لیکن میں نہی جانتا کہ یہ لوگ مائیک کو اپنا ہتھیار کیوں نہیں بنا رہے۔ آج اگر کسی دین دار شخص کے ہاتھ میں میڈیا مائیک آجائے اور وہ شخص متقی بھی ہو اور عقل مند بھی تو یہ جان لیں کہ وہ اکیلا شخص ایک بڑی جماعت سے بھی زیادہ کام کرسکتا ہے۔ اسلامی جماعتوں کو اس طرف توجہ کرنی چاہیے۔

۴ **سوال** کیا ہماری کسی ایسے ایک عمل کی طرف راہنمائی کر سکتے ہیں جو کہ دین اسلام کے لیے بہت فائدے مند ہو اور ہر دور میں یکساں مفید بھی؟

جواب دین اسلام کے شروع سے لے کر آج تک دو قسم کے دشمن ہی رہے ہیں ایک

بیرونی دشمن یعنی کافر اور دوسرا اندرونی دشمن یعنی منافق۔

مسلمانوں کی جماعت کا جو کام بھی ان دشمنوں کو سخت ناگوار گزرے آپ اسی کام میں اپنا مال، جان، ذہنی صلاحیت اور وقت لگائیں۔ آج یہ دشمن سب سے زیادہ ناگواری اسلامی نظام حکومت اور اس کے قوانین سے رکھتے ہیں، ان کی تو یہ آج بات بھی نہیں کرنے دیتے، البتہ آپ کی نماز، روزہ، تبلیغ اور زکات وغیرہ کے بالکل خلاف نہیں، بلکہ انھیں تو یہ کبھی کبھار سپورٹ بھی کر دیتے ہیں، جیسے ہر سال وائٹ ہاؤس میں مسلمانوں کا افطاری پروگرام ہوتا ہے اور اس میں دنیا کا سب سے بڑا اسلام کا دشمن امریکی صدر بھی شریک ہوتا ہے۔ اسی طرح چھوٹے لیول پر ہمارے اپنے ملک کے اسلام دشمن بے دین سیاسی جماعتیں اور ادارے بھی اس قسم کے پروگرام کرتے رہتے ہیں، لہٰذا آپ صرف وہی کام کریں جو کہ اسلام کے دشمنوں کو سخت ناگوار گزرے۔ اگر آپ ایسا کرتے ہیں تو یہ نہ صرف آپ کی اچھی تبلیغ ہوگی، بلکہ آپ کا جہاد بھی ہوگا۔

⑤ **سوال** جو لوگ شرک، دہریت اور انکارِ آخرت کے قائل ہوتے ہیں یا پیغمبروں کو نہیں مانتے ان کے پاس بھی تو کچھ علمی و عقلی دلائل ہوں گے یا وہ کن وجوہات کی بنا پر ایسا کرتے ہیں؟

جواب اس کی بڑی وجہ تو انسان کا اپنا نفس ہے، جس کا تقریباً ہر شخص غلام ہوتا ہے اور نفس انسان کو سستی اور آسانی کی ترغیب دلاتا ہے۔ اسی وجہ سے انسان غیر سنجیدہ زندگی گزارتا ہے نہ تو وہ اپنے عقائد و اعمال پر غور و تدبر کرتا ہے اور نہ ہی دین کا علم حاصل کرتا ہے۔ باقی جہاں تک آپ کے سوال کا تعلق ہے تو اس کے لیے نیچے درج قرآنی آیت اور مولانا مودودی رحمہ اللہ کی تفسیر پڑھ لیں آپ کو اپنے سوال کا مکمل جواب مل جائے گا۔

۞ ''یہ بڑے گمراہ کن شک میں پڑے ہوئے تھے۔''[السبا: ٥٤]

تفسیر: درحقیقت شرک، دہریت اور انکارِ آخرت کے عقائد کوئی شخص بھی یقین کی بنا پر اختیار نہیں کرتا اور نہیں کرسکتا، اس لیے کہ یقین صرف علم سے حاصل ہوتا ہے اور کسی بھی شخص کو بھی یہ علم حاصل نہیں کہ خدا نہیں ہے، یا بہت سے خدا ہیں یا خدائی میں بہت سی ہستیوں کو دخل حاصل ہے، یا آخرت نہیں ہونی چاہیے۔ پس جس نے بھی دنیا میں یہ عقائد اختیار کیے ہیں اس نے محض قیاس و گمان پر ایک عمارت کھڑی کر لی ہے، جس کی اصل بنیاد شک کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور شک انھیں سخت گمراہی کی طرف لے گیا ہے، انھیں خدا کے وجود پر شک ہوا۔ انھیں توحید کی صداقت میں شک ہوا، انھیں آخرت کے آنے میں شک ہوا، حتی کہ اس شک کو انھوں نے یقین کی طرح دلوں میں بٹھا کر انبیاء کی کوئی بات نہ مانی اور اپنی زندگی کی پوری مہلتِ عمل ایک غلط راستے میں کھپا دی۔ (تفہیم القرآن مولانا مودودی رحمہ اللہ)

ایک ایسی کتاب جس کو پڑھنے کے بعد دین اسلام پر عمل کرنا ایک شوق بن جائے گا اور عمل کی مشقت میں واضح کمی آ جائے گی۔

''میں اپنی اس زندگی میں ملحد بھی رہا اور دین پرست بھی، موحد بھی رہا اور مشرک بھی، عیسائی بھی رہا اور مسلم بھی، عقل پرست بھی رہا اور رسم پرست بھی، برادری پرست بھی رہا اور وطن پرست بھی۔''

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ نے سورۃ الفلق کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا تھا: ''جدید فزکس تو آج تصوف بن چکی ہے'' ان کی یہ بات بالکل درست تھی، کیونکہ میری ہدایت ظاہری اسباب کے لحاظ سے اسی تصوف سے شروع ہو رہی تھی۔